بسم الله الرحمن الرحیم
الصلوۃ االسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ
موطا امام مالک
مرتب:
استاذ حضرت علامہ ومولانا ابو واصف محمد کاشف المدنی العطاری دامت برکاتہم العالیہ
مدرس
جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ آفندی ٹاؤن حیدر آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

موطا امام مالک

ترجمۃ المصنف

حضرت امام مالک وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو دنیائے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے ایک طرف مشرق اور مغرب میں ان کے مقلدین کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے تو دوسری طرف امہات کتب حدیث میں سے اکثر ایسی ہیں جن کی کچھ نہ کچھ احادیث کا سلسلہ سند امام مالک تک پہنچتا ہے۔فن حدیث میں سب سے پہلے انہوں نے باقاعدہ ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد تصنیفات کتب حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

امام مالک کی شخصیت عشق رسالت سے معمور تھی، مدینہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں پیار تھا۔اس مقدس شہر کی سرزمین میں وہ کبھی کسی سواری پر نہیں بیٹھے، اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ کبھی اس جگہ حضور پیادہ چلے ہوں۔پھر جس جگہ آقا پیدل چلے ہوں اس جگہ غلام سوار ہو کر چلے یہ نہ اندازِ محبت ہے نہ طورِ غلامی۔

ولادت اور نام ونسب۔امام مالک کا پورا نام اس طرح ہے امام دار الہجرت امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث الاصبحی۔امام مالک کے پردادا عامر بن عمرو جلیل القدر صحابی تھے، غزوہ بدر کے سوا وہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔امام مالک کے جدِ اعلیٰ عمرو بن حارث ذو اصبح کے ساتھ مشہور تھے۔اس وجہ سے آپ کو اصبحی کہا جاتا ہے۔

امام مالک کے سن ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے، لیکن امام مالک کے تلمیذ رشید یحیٰ بن بکیر نے بیان فرمایا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی ہے اور امام ذہبی نے اسی کو صحیح ترین قول قرار دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کہ امام مالک شکم مادر میں عام معمول کے خلاف تین سال تک رہے ہیں۔

اساتذہ۔امام مالک کے اساتذہ اور مشائخ میں زیادہ تر مدینہ طیبہ کے بزرگان دین شامل تھے۔علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ آپ نے نو سو سے زیادہ مشائخ اور بزرگانِ دین سے علمِ دین حاصل کیا ہے۔

آپ کے اساتذہ میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں۔عامر بن عبد اللہ بن العوام، نعیم بن عبد اللہ المجمر، زید بن اسلم، نافع مولی ابن عمر، حمید الطویل، سعید المقبری، ابو حازم، ربیع بن ابو عبد الرحمٰن، عبد اللہ بن دینار، یحیٰ بن سعید، عمرو بن ابو عمر، زید بن رباح، مخرجہ بن بکیر وغیرھم۔

درس حدیث۔امام مالک نے سترہ سال کی عمر میں تعلیم وتدریس کی ابتداء کر دی تھی۔حدیث شریف پڑھانے سے پہلے غسل کرتے، عمدہ اور بیش قیمت لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے پھر ایک تخت پر نہایت عجز وانکساری سے بیٹھتے اور جب تک درس جاری رہتا انگیٹھی میں عود اور

[illegible] رہتے تھے، درسِ حدیث کے درمیان کبھی پہلو نہیں بدلتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں درس حدیث میں حاضر [illegible]، امام مالک روایتِ حدیث فرمارہے تھے اسی دوران ایک بچھو کی نیش زنی کے باوجود آپ نے نہ پہلو بدلا، نہ سلسلہ روایت ترک کیا اور نہ ہی آپ کے تسلسل کلام میں کچھ فرق واقع ہوا، بعد میں آپ نے فرمایا: میرا اس تکلیف پر اس قدر صبر کرنا کچھ اپنی طاقت کی بناء پر نہ تھا بلکہ محض عشق رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔

کلمات الثناء۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلادیں گے پھر بھی انہیں عالمِ مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا۔ سفیان بن عیینہ اور امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس فرمان میں امام مالک کی طرف اشارہ ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ: امام مالک علماء کے درمیان ایک درخشندہ ستارے کی مانند ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علمِ رخصت ہوجاتا۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر امام مالک اور لیث نہ ہوتے تو ہم گمراہ ہوجاتے۔ اسحاق بن ابراہیم کہتے تھے: جس چیز پر ثوری، مالک اور اوزاعی اتفاق کرلیں وہ سنت ہے، خواہ اس باب میں صریح نص وارد نہ ہو۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تبع تابعین کی جماعت میں امام مالک سے زیادہ عظیم کوئی شخص نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی شخص حدیث میں مامون تھا۔

موطا امام مالک

فنِ حدیث میں جس کتاب کو سب سے پہلے مدون کیا گیا وہ موطا امام مالک ہے۔ امام شافعی نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر اس سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔ اور فن وجرح وتعدیل کے مشہور امام حافظ ابوزرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ نے فرمایا: کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ موطا کی تمام احادیث صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ ابوبکر بن العربی نے کہا: فن حدیث میں "صحیح بخاری" ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور موضوع پر اصلِ اول موطا "امام مالک" ہے۔ اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ "موطا" کی صحت اور قوت سے لوگوں کے دلوں میں جس قدر ہیبت طاری ہے اس کا کوئی کتاب مقابلہ نہیں کرسکتی۔ حافظ ابنِ حبان لکھتے ہیں کہ: فقہاء مدینہ میں امام مالک وہ شخص ہیں جنہوں نے روایات کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا، وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ اور کوئی چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیرِ ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

محمد بن سری کہتے ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت کی، تو عرض کیا: حضور؛ مجھے کچھ احادیث بیان فرمایئے جن کو میں آپ سے روایت کروں، فرمایا: اے ابن السری؛ میں نے مالک کو ایک خزانہ دیا ہے جس کو وہ تم میں تقسیم کریں گے اور یاد رکھو، وہ خزانہ "موطا" ہے۔ پھر فرمایا: اللہ کی کتاب اور میری سنت کے بعد مسلمانوں کے لئے "موطا" سے زیادہ کوئی صحیح چیز نہیں ہے اس کتاب کا سماع کرو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

سببِ تالیف۔ حافظ ابومصعب لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ آپ لوگوں کے لئے ایک کتاب تصنیف کردیجیے جس پر عمل کرنے کے لئے میں لوگوں کو آمادہ کروں، امام مالک علیہ الرحمہ نے "موطا" کی تصنیف شروع کی، لیکن اس کی تکمیل سے پہلے منصور کا انتقال ہوگیا اور اس کے بیٹے محمد مہدی کے ابتدائی دورِ خلافت میں اس کتاب کی تکمیل ہوگئی۔

مدارج تالیف۔ ابن الوہاب ذکر کرتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمۃ نے ایک لاکھ احادیث میں سے مؤطا کا انتخاب کیا۔ پہلے اس میں سے دس ہزار احادیث جمع کیں پھر مسلسل غور وفکر کرتے رہے یہاںتک کہ اس میں سے پانچ سو احادیث باقی رہ گئیں۔

وجہ تسمیہ۔ ''مؤطا'' لفظ وطی سے ماخوذ ہے جس کے معنی روندنے کے ہیں، امام مالک نے اس کتاب کی تالیف کے بعد اس کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا، جنہوں نے اس کتاب کو انظارِ دقیقہ سے روندا اس وجہ سے اس کا نام مؤطا پڑ گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ مواطاۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی موافقت ہیں چونکہ اس کتاب کے ساتھ امام مالک کے زمانے کے تمام علماء نے موافقت کی تھی اس لئے اس کا نام ''مؤطا'' رکھا گیا۔

تالیف میں اخلاص: جب امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے موطا کی تصنیف کرنا شروع کی تو آپ کو دیکھ کر دوسرے علماء نے بھی آپ کی طرح اس فن میں لکھنا شروع کر دیا، بعض لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کیوں اپنے آپ کو اس تصنیف کی وجہ سے تکلیف میں ڈال رہے ہیں جبکہ اور لوگوں نے بھی اس طرز کی کتابیں لکھنا شروع کر دیں ہیں؟۔ امام مالک علیہ الرحمۃ نے فرمایا: عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا کام محض اللہ تعالی کے لئے ہے۔ چنانچہ ''مؤطا'' کے ظہور میں آنے کے بعد وہ تمام کتابیں اپنی رونق اور شہرت کھو بیٹھیں اور اس زمانہ کی تالیفات میں سے سوائے ''مؤطا'' کے آج کسی کا نام ونشان نہیں ملتا۔

اسلوب: امام مالک کسی عنوان کو ثابت کرنے کے لئے اولا حدیث مسند وارد کرتے ہیں اور اگر حدیث مسند نہ مل سکے تو ثقات تابعین سے حدیث مرسل روایت کرتے ہیں۔ جب حدیث مرسل بھی نہ مل سکے تو بلاغات کو وارد کرتے ہیں، اس کے بعد آثار صحابہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، آثار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قضایا اور حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاوی کو مقدم کرتے ہیں۔ صحابہ کے بعد اقوال تابعین کی طرف رجوع کرتے ہیں، تابعین میں بھی فقہاء مدینہ کو ترجیح دیتے ہیں اور خاص طور پر سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم، سالم، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن عمرو اور عمر بن عبدالعزیز کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض جگہ امام مالک کسی عنوان کے تحت احادیث مسندہ، آثار اور فتاوی تابعین کا ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلا انہوں جو باب ''وضوالنائم ان قام الی الصلوۃ'' کے تحت حدیث وارد کی۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال: اذااستیقظ احدکم من نومہ فلیغتسل یدہ قبل ان یدخلھا فی وضوئہ فان احدکم لایدری ان باتت یدہ۔

اس کے بعد حضرت عمر کا اثر وارد کیا۔ ''اذانام احدکم مضطجعا فلیتوضا اور آیۃ وضو کی تفسیر میں زید بن اسلم کا یہ قول پیش کیا: ''ان ذلک اذا قمتم من المضاجع یعنی النوم'' اور اخیر میں اپنی رائے پیش کی: قال مالک: الامر عندنا انہ لایتوضو الا من حدث یخرج من دبر او ذکر او نام۔

نوٹ: موطا میں صرف احکام سے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔ تفسیر، اشراط اور مناقب سے متعلق احادیث روایت نہیں کی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اقسام کتب حدیث میں سنن کے درجے میں آتی ہے۔

تعداد احادیث۔ ابوبکر العربی نے بیان کیا ہے کہ موطا امام مالک کی کل روایات بشمول آثار صحابہ وفتاوی تابعین ایک ہزار سات سو بیس (1720) ہیں، جن میں چھ سو (600) مسند ہیں، دو سو بائیس (222) مرسل ہیں، چھ سو سترہ (617) موقوف ہیں اور دو سو پچھتر (275) اقوال

مؤطا امام مالک کے راوی۔ موطا امام مالک کو ہر طبقہ کے لوگوں نے بکثرت روایت کیا ہے۔ خلفائے اسلام میں ہارون رشید، امین اور مامون نے۔ مجتہدین میں سے امام شافعی، امام محمد بن الحسن شیبانی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف نے۔ (ان تمام میں سے صرف امام محمد علیہ الرحمہ کے باقی تمام نے بالواسطہ موطا روایت کی ہے)۔ امام مالک کے خصوصی تلامذہ میں سے یحی المصمودی، ابن قاسم اور اصبغ نے اور صوفیاء میں سے ذوالنون مصری نے اور محدثین میں سے ایک کثیر جماعت نے اس کو روایت کیا ہے، جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

مؤطا امام مالک کے نسخے۔ ''مؤطا امام مالک'' کے 30 سے زیادہ نسخے ہیں۔ ان میں یحی بن یحی مصمودی کا نسخہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ''بستان المحدثین'' میں موطا کے سولہ نسخوں کا ذکر بالتفصیل کیا ہے اور ہر نسخہ کے راوی کی مختصر سوانح لکھی ہے۔ اس وقت امت کے ہاتھوں میں موطا کے دو نسخے موجود ہیں۔ ایک یحی بن یحی مصمودی کا اور ایک امام محمد بن حسن الشیبانی کا۔ یحی بن یحی کا نسخہ ''موطا امام مالک'' اور امام محمد کا نسخہ امام محمد کی روایت کے سبب ''مؤطا امام محمد'' کے نام سے مشہور ہے۔

مؤطا کی شروح وتعلیقات۔ موطا امام مالک چونکہ فن حدیث میں سب سے پہلی کتاب تھی اس وجہ سے اس کو بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار لوگوں نے اس پر شروح، حواشی اور تعلیقات سپرد قلم کیے ہیں۔ جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) تفسیر مؤطا: یہ شرح ابو مروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان المالکی المتوفی 239ھ کی تصنیف ہے۔

(2) شرح مؤطا۔ یہ کتاب ابن رشیق المالکی متوفی 456ھ کی تصنیف ہے۔

(3) التمھید فی معانی الموطا والاسانید: یہ شرح حافظ ابو عمرو بن عبدالبر مالکی متوفی 463ھ کی تالیف ہے۔

(4) المقتبس: یہ شرح ابو محمد عبداللہ بن محمد البطیوسی المالکی متوفی 511ھ کی تصنیف ہے۔

(5) تنویر الحوالک۔ یہ حافظ جلال الدین سیوطی کی ہے۔

(6) کشف المعطا: بھی حافظ سیوطی متوفی 911ھ کی ہے۔

(7) شرح مؤطا امام مالک: یہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف مالکی زرقانی متوفی 1128ھ کی تصنیف ہے۔ پانچ جلدوں پر ہے۔

(8) المصفی۔ یہ شاہ ولی اللہ متوفی 1176ھ کی تصنیف ہے فارسی زبان میں مختصر شرح ہے۔

(ماخوذ کلہ من تذکرۃ المحدثین لشیخ الحدیث غلام رسول سعیدی دامت برکاتھم العالیہ)

کتاب الرضاع

رضاعت الصغیر

مالک عن عبداللہ ابن ابی بکر عن عمرۃ بنت عبدالرحمٰن عن عائشۃ ام المومنین اخبرتھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان عندھا

وانما سمعت صوت رجل یستاذن فی بیت حفصة قالت عائشة فقلت یارسول اللہ ھذا صوت رجل یستاذن فی بیتک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اراہ فلانا لعم لحفصة من الرضاعة قالت عائشة یارسول اللہ لوکان فلان حیالعم لھا من الرضاعة دخل علی؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نعم۔ ان الرضاعة تحرم ماتحرم الولادة۔

رضاعت کا لغوی معنی: عورت کا پستان چوسنا اور دودھ پینا چاہے اس سے دودھ حاصل ہو یا نہ ہو۔

اصطلاحی معنی: مخصوص مدت تک عورت کا دودھ پینا۔

حدیث پاک میں ہے: ''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں لیکن اس میں بعض رشتوں کی تخصیص ہے جو رضاعت سے حرام نہیں ہوتے۔ وہ چار ہیں۔

(1) اپنی رضاعی بہن کی ماں۔ (2) اپنے رضاعی بیٹے کی بہن۔ (3) رضاعی باپ کی بیوی۔ (4) رضاعی بیٹے کی بیوی۔

مسئلہ: رضاعت سے رضیع اور مرضعیہ کی اولاد میں حرمت پیدا ہو جاتی ہے اور رضاعت انکو اخلوت اور سفر کے اعتبار سے اقارب کے درجے میں داخل کر دیتی ہے۔ لیکن بقیہ احکام مثلاً وراثت قصاص، وجوب نفقہ، عتق بالملک یہ اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

دوسرا یہ کہ حدیث میں مطلق آیا ہے کہ: رضاعت حرام کرتی ہے لہذا قلیل دودھ سے بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور اس حدیث سے امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی رد ہو گیا کہ ان کے نزدیک تین یا پانچ چسکیوں سے رضاعت ثابت ہو گی اس سے کم میں نہیں۔

ماجاء فی رضاعة بعد الکبر

مالك عن عبدالله بن دينار انه قال جاء رجل الى عبدالله بن عمر وانا معه عند دار القضاء يسئله عن رضاعة الكبير فقال عبدالله بن عمر جاء رجل الى عمر بن خطاب فقال انى كانت لى وليدة وكنت أطؤها فعمدت أمرأتى اليها فأرضعتها فدخلت عليها فقالت دونك فقد والله رضعتها فقال عمر اوجعها وأتى جاريتك فانما الرضاعة رضاعة الصغير۔

رضاعت کس عمر تک ثابت ہوتی ہے: اس میں چند اقوال ہیں۔ (1) دو سال۔ (2) ڈھائی سال۔ (3) تین سال میں۔ (4) پندرہ سال میں۔ (5) چالیس سال میں۔

صاحبین اور امام شافعی رحمھم اللہ تعالی کا موقف یہ ہے کہ رضاعت دو سال تک ثابت ہو گی اس سے زیادہ میں نہیں۔

دلیل: اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿حمله وفصاله ثلثون شهرا﴾۔ اس آیت میں اللہ عزوجل نے دو چیزوں کا بیان فرمایا ہے حمل اور دودھ چھڑانا لیکن ان دونوں کی مدت ایک بیان فرمائی ہے۔ اور حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہیں جو کہ حضرت عائشہ

رضی اللہ عنھا کی حدیث سے ثابت ہے کہ:"اقل مدت حمل چھ ماہ ہے۔"اور رضاعت کے بارے میں دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:﴿والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین﴾۔

تیسری دلیل: حدیث پاک ہے: لا رضاع بعد حولین۔دوسال کے بعد کوئی رضاعت نہیں ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا موقف رضاعت کی اکثر مدت ڈھائی سال ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حملہ وفصالہ ثلثون شھرا۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں لیکن دونوں کی مدت ایک ہی بیان کی ہے لہذا یہ پوری مدت دونوں میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ ثابت ہوگی جس طرح اگر کسی شخص کا کسی پر دو طرح کا قرض ہو مثلا رقم بھی لی ہو اور غلہ بھی ہو اور وہ کہے کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک سال میں واپس کر دوں گا تو دونوں کے لئے الگ الگ ایک سال شمار ہوگا،لیکن حمل کے بارے میں ہمیں منقص مل گیا اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا قول ہے کہ"بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگر چہ تکلے کے سائے کے برابر ہو۔"

اور دوسری چیز یعنی دودھ پلانا اپنے ظاہر پر باقی رہے گا یعنی ڈھائی سال تک دودھ پلایا جائے گا۔

عقلی دلیل: بچے کی غذا کو بدلنا ضروری ہوتا ہے تاکہ دودھ کے ذریعے جونشو نما ہو رہی تھی وہ ختم ہو جائے اور یہ غذا کا بدلنا مدت کی زیادتی سے ہوگا تو اس کی مدت ہم نے مدت حمل کی ادنی مدت سے مقرر کی اور وہ چھ ماہ ہیں اور چھ ماہ میں بچہ دوسری غذا کا عادی ہو جاتا ہے جیسے جنین یعنی پیٹ کے بچے کی غذا دودھ پیتے بچے کی غذا کے متغائر ہے اسی طرح دودھ پیتے بچے کی غذا دودھ چھوڑنے والے کی غذا کے متغائر ہوگی۔

صاحبین اور امام شافعی کا رد: انہوں نے جو دلیل دی ہے وہ مدت استحقاق پر محمول ہے اور آیت اور حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

امام زفر کا مذہب: مدت رضاعت تین سال ہے۔

دلیل: ایک سال ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلنے میں موثر ہوتا ہے جیسے زکوۃ کے نصاب میں فرض زکوۃ کی مدت کے لئے ایک سال کا وقت دیا گیا ہے،اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہم نے دودھ چھڑانے کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کر دی۔

نوٹ: فتویٰ صاحبین کے مذہب پر ہے کہ دودھ دو سال تک پلایا جائے گا لیکن حرمت ڈھائی سال تک ثابت ہو جائے گی۔

بالغ مرد اگر عورت کا دودھ پیے تو وہ اسکا رضاعی بیٹا بنے گا یا نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے نزدیک: اگر بالغ مرد کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اسکا رضاعی بیٹا بن جائے گا۔

دلیل: حضرت سالم والی حدیث۔ حضرت سالم حضرت حذیفہ کے منہ بولے بیٹے تھے ان کے گھر میں بغیر روک ٹوک کے آتے جاتے تھے تو جب حضرت ابو حذیفہ کی شادی ہوئی تو وہ آتے تھے اور کمرہ بھی ایک تھا تو پردے کی وجہ سے ان کو منع کر دیا گیا اور حضرت ابو حذیفہ نے یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: تم ابو سالم کو اپنی بیوی کی پانچ چسکیاں دودھ پلا دو پھر وہ تمہارے پاس آسکتا ہے اور انہوں نے ایسا کیا تو وہ انکے پاس آتے جاتے تھے۔ اسی حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے استدلال کیا ہے کہ بالغ مرد کو دودھ پلانے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

دوسری دلیل آیت پاک ہے: امھاتکم التی ارضعنکم۔ یہ آیت مطلق ہے اس میں صغر اور کبر کا ذکر نہیں ہے۔

ہماری دلیل: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو وہاں ایک اجنبی شخص کو دیکھا تو آپ علیہ السلام کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور فرمایا یہ کون ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ یہ میرے رضاعی چچا ہیں تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اپنی رضاعی بہنوں کو دیکھو اور رضاعت تو صغر پن یعنی بھوک کی عمر میں ہوتی ہے۔

دوسری دلیل: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: رضاعت وہ ہے جو آنتوں کو پھاڑ دے۔

عقلی دلیل: رضاعت سے نشو نما ہوتی ہے اور ہڈیاں بھڑتی ہیں اور یہ حالت صغر میں ہی ہوتا ہے نہ کہ حالت کبر میں۔

مزید یہ کہ حضرت سالم کو دودھ پینے کی اجازت انہی کے ساتھ خاص تھی اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کر سکتے۔

کتنی مقدار میں دودھ پینا رضاعت کی حرمت کو ثابت کرے گا۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا موقف: پانچ چسکیوں سے کم دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

دلیل: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: لاتحرم المصۃ ولا المصتان ولا املاجۃ ولا املاجتان۔ ایک چسکی اور نہ دو چسکیاں حرام کرتی ہیں اور نہ ایک بار دودھ پلانا نہ دو بار پلانا۔

دوسری دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: قرآن پاک دس معلوم چسکیوں کے بارے میں نازل کیا گیا جو حرام کر دی گئیں اور پانچ معلوم چسکیوں سے منسوخ ہو گئیں۔

امام اعظم اور امام مالک رضی اللہ تعالی عنہما کا موقف: مطلقا دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

دلیل: اللہ تعالی کا فرمان: ﴿امھاتکم التی ارضعنکم﴾۔ یہ آیت مطلق ہے اس میں دودھ پینے کی کوئی مقدار ذکر نہیں کی گئی

دوسری دلیل: حدیث مبارکہ ہے: "ان الرضاعۃ تحرم ماتحرم الولادۃ۔ یہ فرمان بھی مطلق ہے۔

عقلی دلیل: دودھ کی وجہ سے جو حرمت ہوتی ہے وہ شبہء بعضیت کی وجہ سے ہوتی ہے جو ہڈیوں کے بڑھنے اور گوشت کے

لگنے کے ذریعے ثابت ہوتی ہے لیکن یہ ایک باطنی معاملہ ہے تو ہم نے حرمت کے حکم کو فعلِ ارضاع کے ساتھ معلق کردیا۔

حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم سے مروی ہے: انہوں نے فرمایا: قلیل وکثیر دودھ پلانا حرمت میں برابر ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے: ایک گھونٹ بھی حرمت کو پیدا کردیتا ہے۔

جب حضرت ابن عمر کو یہ بات پہنچی کہ عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ایک گھونٹ اور دو گھونٹ حرام نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا اللہ کا فیصلہ ابن زبیر کے فیصلے سے بہتر ہے اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان: امهاتكم اللتى ارضعتكم ۔تلاوت فرمائی، اسی طرح جب ابن عمر تک حضرت عائشہ کا یہ قول لاتحرم المصة ولا المصتان پہنچا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالی کا حکم اولی ہے اور حضرت عائشہ کے قول سے بہتر ہے۔

المصة ولا المصتان کی حدیث کے بارے میں: امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں اضطراب ہے نیز ابن زبیر ہی سے مروی ہے کہ ایک گھونٹ پینا بھی حرمت کو ثابت کرتا ہے اور اصول ہے کہ راوی کا عمل جب اس کی روایت کے خلاف ہو تو اسکی روایت قابل عمل نہیں رہتی۔ مزید یہ کہ آپ کی روایت المصة والمصتان حلت ثابت کرتی ہے جبکہ ہماری روایات حرمت کو ثابت کرتی ہیں اور اصول ہے کہ جب حلال وحرام جمع ہو جائیں تو غلبہ حرام کو ہوتا ہے۔

كتاب الصيد

باب ترك اكل ما قتل المعراض والحجر

مالك عن نافع انه قال رميت طائرين بحجر وأنابالجرف فاصبتهما فاما احدهما فمات فطرحه عبدالله بن عمر واما الأخر فذهب عبدالله بن عمر يذكيه بقدوم فمات قبل ان يذكيه فطرحه عبدالله ايضا۔

قولہ رمیت طائرین: اس میں دو احتمال ہیں۔(1) وہ شکار کرنے کے قصد سے نکلے اور حالت شکار ہی میں پرندوں کو مارا۔(2) وہ نکلے تو کسی اور کام سے تھے اور اسی دوران پرندوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو مارا۔

اگر ان کا شکار کے لئے نکلنا بطور لذت تھا تو امام مالک علیہ الرحمہ اسکو مکروہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ عزوجل سے غافل کرنے کے معنی میں ہے اور اگر انہوں نے شکار کو کمائی کا ذریعہ بنایا اور اسی لئے نکلے تھے تو اس میں کوئی حرج نہیں خواہ وہ فقیر ہو یا امیر۔

حسین بن عاصم امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ "لااره لاحد صيدالبر الا لاهل الحاجة الذين عيشهم ذلك ووجه قول ان هذا انما قصد اللحم وتحصيل الصيد وذالك مباح۔" یعنی میں سوائے اہل حاجت کے کہ جنکا گزر بسر شکار پر ہو اور کسی کے لئے خشکی کا شکار کرنا جائز نہیں سمجھتا ان کے اس قول سے مقصود یہ ہے کہ انہوں

اس سے گوشت اور تحصیلِ صید کا شکار کیا ہے اور یہ مباح ہے۔

اور اسکی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول بھی ہے: ﴿یاایھا الذین امنو الیبلونکم اللہ بشئی من الصید تنالہ ایدیکم ورماحکم﴾ ترجمہ: کنز الایمان: اے ایمان والوں ضرور اللہ تمہیں آزمائے گا بعض ایسے شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچے۔

(سورۃ المائدہ، آیت 94)

اور جو شکار بطور لذت حاصل کرنے کے لئے نکلا تو اسکی غرض شکار نہیں بلکہ لذت حاصل کرنا ہے اور یہ ممنوع ہے۔

ابنِ ماجشون۔امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دیہات میں رہنے والے کے لئے شکار مستحب جانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شکار کے اھل ہیں اور انہیں اس کے سواء چارہ نہیں ہے اور شہر والوں کے لئے مکروہ جانتے ہیں کہ انکا شکار کے لئے نکلنا بیوقوفی قرار دیتے ہیں۔

قولہ: رمیت بطائرین بحجر۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ دونوں پرندوں کو ایک ہی پتھر سے مارا ہو اور قصد دونوں دونوں کو حاصل کرنے کا کیا ہو۔۔۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر ایک پرندے کو الگ الگ پتھر سے مارا ہو۔تو انکے قول رمیت بطائرین بحجر کا مطلب ہوگا ''ھذا الجنس''،یعنی جس کے ساتھ مارا جائے اور شکار کیا جائے۔

بہر حال صید کے متعلق چار ابواب ہیں ۔(1) صفت سلاح یعنی جس کے ساتھ مارا جائے ۔(2) صفت رمی یا ضرب کے بارے میں ۔(3) صفت مرمی یا مضروب کے بارے میں (4) فعل رمی اور ضرب کے مقتضی کے بارے میں۔

باب اول صفت سلاح کے بارے میں: اسکی دو قسمیں ہیں ۔(1) وہ ہتھیار جسکی دھار ہو جیسے تیر، نیزہ، تلوار، چھری وغیرہ ،ان کے ساتھ ذبح جائز ہے۔

(2) وہ ہتھیار جسکی دھار نہ ہو جیسے معراض، بندوق اور وہ پتھر جو دھاری دھار نہ ہو۔ایسے ہتھیاروں کے ساتھ ذبح جائز نہیں ہے۔۔۔حضرت نافع علیہ الرحمہ نے جو پتھر مارا اس میں احتمال ہے کہ اسکی دھار ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی دھار نہ ۔اور دوسرا احتمال زیادہ ظاہر ہے اسوجہ سے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنھما نے انکو پھینک دیا۔

دوسرا باب رمی اور ضرب کی صفت کے بارے میں۔امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ ذبح کی قسم ہے اور یہ ایسی صفت پر ہو جسکے ساتھ ذبح کرنا درست ہو تو اس میں رامی یا ضارب کے لئے وقت رمی یا وقتِ ضرب نیت کرنا ضروری ہوگا۔

مدونہ میں امام مالک علیہ الرحمہ سے ہے کہ جس نے شکار کو چھری ماری اور اسکا سر کاٹ دیا اور مارنے سے شکار کی نیت کی تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر مارنے سے شکار کی نیت نہیں کی تو جائز نہیں۔

تیسرا باب صفت مرمی اور مضروب کے بارے میں: اس میں دو صفات کی رعایت کی جائے گی ۔ایک یہ ہے کہ وہ شکار متوحشی ہو۔دوسرا یہ کہ امتناع ایسی صفت کے سبب ہو جس سے اسکی ذکوۃ پر قدرت نہ ہو۔

چوتھا باب فعل رمی اور ضرب کے منتہی کے بارے میں ۔رمی اور ضرب دو حال سے خالی نہ ہوگا۔یا تو وہ قتل کی جگہ کو ظاہر کرے گا یا نہیں ۔اگر قتل کی جگہ کو ظاہر کردے تو اس میں ذکوۃ مکمل ہوگئی اور پھر یہ دو صورتوں پر ہے۔ایک یہ کہ اس زخم سے حیوان کا کوئی جزء ظاہر ہوجائے ۔دوسرا یہ کہ کوئی جزء ظاہر نہ ہو۔اور اگر کوئی جزء ظاہر ہوا تو اگر اس آلے نے حیوان کو دو حصوں میں کاٹ دیا تو پورا حیوان کھایا جائے گا،خواہ سر کے ساتھ جو نصف ہے وہ زیادہ ہو یا کم اور یہی امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے۔

امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا: جو حصہ جانور کے سر سے ملا ہوا ہے اس کا ثلث کاٹا تو تمام حیوان کھایا جائے گا اور اگر ران سے ملے ہوئے ثلث کو کاٹا تو جو دو ثلث سر سے ملے ہوئے ہیں وہ کھائے جائیں گے اور باقی ایک ثلث نہیں کھایا جائے گا۔

قولہ: اما احدھما فمات فطرحہ۔اس قول سے یا یہ مراد ہے کہ پرندہ نفس ضرب سے مرگیا یا انکے پکڑنے سے پہلے کیونکہ اس میں ذکوۃ شرعی فوت ہوگئی تھی کہ وہ بغیر دھاری پتھر کے مرا تھا اور ذبح شرعی اس سے پہلے فوت ہوگیا تھا۔

قولہ: اما الاخر۔دوسرا پرندہ ذبح کرنے سے پہلے ہی مرگیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے اس کو پھینک دیا اور یہ بھی دو حال سے خالی نہیں ۔(1) ایک یہ کہ اس پرندے کی ذکوۃ میں اگر جلدی کی جاتی تو وہ نہ مرتا مگر اس میں تاخیر کی گئی اس لئے وہ مرگیا۔(2) یا ذکوۃ میں جلدی تو کی لیکن پرندہ جلدی مرگیا۔

قولہ: کان یکرہ ماقتل المعراض۔معراض سے لکڑی کی چوڑائی مراد لیتے ہیں کیونکہ یہ وقیذ ہے (یعنی وہ جانور جسے پھینکا گیا ہو جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ والمنخنقۃ والموقوذۃ ۔الایۃ﴾ ترجمہ: کنزالایمان: تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلہ گھونٹنے سے مرا اور جو بے دھار کی چیز سے مارا ہو۔ (سورۃ المائدہ، آیت 3)

دلیل: آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان: جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے۔انہوں نے فرمایا: کہ میں نے آقا علیہ السلام سے معراض کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جو اس کی دھار سے مرے اسے کھاؤ اور جو اس کی چوڑائی سے مرے اسے نہ کھاؤ وہ وقیذ ہے۔

☆ قولہ: والبندقۃ۔یہ عبارت اس بات کا احتمال رکھتی ہے کہ انہوں نے قتلِ صید میں بندوق اور معراض کو جمع کیا تھا وہ اس طرح کہ بندوق اور معراض دونوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں مارا،اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرندہ دو ضربوں سے مرا ہو۔یا اس کا علم نہیں کہ وہ دونوں ضربوں میں سے کس کی ضرب سے مرا ہے،بہر حال دونوں صورتوں میں شکار کو نہیں کھایا جائے گا۔برابر ہے کہ معراض پرندے کو دھار کے ساتھ لگی ہو یا چوڑائی کے ساتھ اس لئے کہ اس کی ذکوۃ میں ایسے آلے نے مدد کی ہے جس کی مثل سے ذبح نہیں کیا جاسکتا۔جیسا کہ اگر ایک شکار کے قتل میں دو کتے شریک ہوجائیں جن میں سے ایک معلم ہو اور دوسرا غیر معلم تو شکار حلال نہیں ہوگا۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ بندوق سے الگ قتل کیا ہو اور معراض سے الگ قتل کیا ہو۔اس صورت

ہیں جس کے قتل میں بندوق منفرد ہے اسے نہیں کھایا جائے گا اور معراض میں دیکھا جائے گا کہ دھار سے قتل ہوا ہے یا نہیں اگر ہوتو کھایا جائے گا ورنہیں۔

اختلاف پالتو جانور کو شکار کرنا

☆قولہ: کان یکرہ ان یقتل الانسیة بما یقتل الصید۔ یہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔(1) حالت امکان میں ہوگا۔(2) حالتِ امتناع میں۔ بحرحال حالتِ امکان میں اسکے عدمِ جواز میں کوئی اختلاف نہیں اور اس کے وحشی ہونے کے سبب امتناع کی حالت میں امام مالک اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جائز نہیں اور اس صورت میں جائز ہے کہ جانور کو تیز نیزے یا درخت کے ساتھ محبوس کیا جائے۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جائز ہے اور اس کا حکم صید کا حکم ہے۔

☆قولہ: ﴿لیبلونکم اللہ بشئی من الصید﴾: آیت میں اس پر دلیل ہے کہ یہ حکم مومنین کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ مومنین کے علاوہ سے کلام نہیں کیا گیا اور نہ غیر مومنین کے ہاتھوں اور نیزوں کی طرف اضافت کی گئی ہے۔

☆قولہ: بشئی من الصید: یہ آیت مطلق شکار کی اباحت پر دلالت کرتی ہے اور شکار کرنی کی تین حالتیں ہیں۔(1) شکاری کمائی کی حاجت اور مستغنی ہونے کے لئے شکار کرتا ہے۔(2) اس کا گوشت کھا کر گزر بسر کے لئے شکار کرتا ہے۔(3) لہو ولعب وراحت کے شکار کرتا ہے، پہلی دو صورتیں جائز ہیں اور آخری صورت ناجائز۔

اگر غیر شکاری نے شکار میں شکار کی مدد کی اور یہ بات معلوم نہ ہو کہ شکار شکاری کے فعل سے مرا ہے یا مددگار کے فعل سے تو ایسے شکار کا کھانا جائز نہیں ہے۔

اگر شکار کو تیر مارا اور وہ شکار پانی میں گر گیا تو اگر یہ یقین ہو کہ تیر نے اسکو ہلاک کر دیا تھا اس وجہ سے وہ مر کر پانی میں گرا نہ کہ پانی میں گر کر مرا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے۔ اور اگر اس میں شک ہو تو جائز نہیں۔

اگر کسی نے زہر آلود تیر مارا اور جانور مر گیا تو امام مالک علیہ الرحمہ نے ''عتبہ اور موازیہ'' میں فرمایا ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا، شاید کہ زہر نے اسکے مرنے پر مدد کی ہو۔

قولہ: لاباس باکل الصید وان غاب عنک مصرعہ۔ اس عبارت میں تفصیل ہے۔ اگر کتا یا تیر شکاری کے مشاہدے میں ہوتے ہوئے شکار کے قتل کی جگہ کو پہنچ جائے پھر شکار اٹھے اور شکاری سے غائب ہوجائے تو اسکی ذکوۃ مکمل ہوگئی اور شکاری سے اسکا غائب ہونا اور رات بھر اوجھل ہونا مفید نہ ہوگا۔

قاضی ابوالحسن نے فرمایا: کہ اسی کا امام مالک علیہ الرحمہ نے ارادہ فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر تیر یا کتا شکار کی جگہ تک نہیں پہنچا یہانتک کہ شکار غائب ہوگیا تو قاضی ابوالحسن علیہ الرحمہ نے فرمایا: شکاری اس کی تلاش میں ہو حتی کہ اسے اسی حالت میں پائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور اگر شکاری دوسرے کام میں مشغول ہوگیا پھر پایا تو اسکا کھانا جائز نہیں۔

باب ماجاء فی الصید المعلمات

مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر انہ کان یقول فی الکلب المعلم کل ما امسک علیک ان قتل وان لم یقتل۔

☆قولہ:فی کلب معلم :کلب معلم سے شکار کرنے میں دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: وما علمتم من الجوارح مکلفین الی قولہ فاذکروا اسم اللہ علیہ۔اور حضرت عدی بن حاتم والی حدیث بھی دلیل ہے۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جب تم کلب معلم کو چھوڑ و اور اللہ عزوجل کا نام ذکر کرو تو کھاؤ جو وہ تم پر روکے رکھے۔

شکار سے جانور حلال ہونے کی پندرہ شرائط۔

شکاری کرنے والے کی پانچ شرائط ۔(1)شکاری ان میں سے ہوجنکا ذبیحہ جائز ہوتا ہے۔(2)اس نے کتے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا ہو۔(3)چھوڑنے میں ایسے شخص کی شرکت نہ ہو جس کا شکار حرام ہو۔(4)بسم اللہ قصدا ترک نہ کی ہو۔(5)چھوڑنے اور پکڑنے کے دوران کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔

کتے کی پانچ شرائط۔(1) کتا سکھایا ہوا ہو۔(2)جدھر چھوڑا گیا ہو ادھر ہی جائے ۔(3)شکار پکڑنے میں ایسا کتا شریک نہ ہوا ہو جس کا شکار حرام ہو۔(4)شکار کو زخمی کر کے قتل کرے۔(5)اس میں سے کچھ نہ کھائے۔

شکار کی پانچ شرائط۔(1)شکار حشرات الارض سے نہ ہو۔(2)پانی کا جانور ہو تو مچھلی ہی ہو۔(3)بازو یا پاؤں سے اپنے آپ کو شکار سے بچائے ۔(4)نوکیلے یا پنجے والا جانور نہ ہو۔(5)شکاری کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی مرجائے یعنی شکاری کو ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا قول: کتا اگر شکار میں سے کچھ کھالے تو پھر بھی اس شکار کا کھانا جائز ہے۔

احناف وشوافع کا موقف: کتا اگر شکار میں سے کھالے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

جن جانوروں میں سیکھنے کی صلاحیت ہو ان سے شکار کرنا جائز ہے اور جن میں صلاحیت نہ ہو ان سے شکار کرنا جائز نہیں ہے، ان کے معلم ہونے کی پہچان یہ ہے کہ ان کو جس طرف چھوڑا جائے وہ اسی طرف جائیں اور جب بلایا جائے تو واپس آجائیں اور ان کا معلم ہونا تین بار کے تجربے سے ہوگا اور اس شکار میں سے کچھ نہ کھایا ہو۔

احناف: کتے کے علاوہ دیگر جانوروں سے شکار کرنا جائز ہے۔

مالکیہ: کتے کے علاوہ دیگر جانوروں سے شکار کرنا جائز نہیں ہے۔

احناف: اگر کسی نے بھول کر تسمیہ ترک کردی تو جانور حلال ہوگا۔

مالکیہ: اگر کسی نے بھول کر یا جان بوجھ کر تسمیہ ترک کردی تو جانور حلال نہ ہوگا۔

شوافع: دونوں صورتوں میں جانور حلال ہوگا۔

باب تحریم کل ذی ناب من السباع

مالك عن ابن شهاب عن ابی ادریس خولانی عن ابی ثعلبة الخشنی ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قال أكل كل ذی ناب من السباع حرام۔

سباع کی تعریف: ’’کل مختطف منتهب جارح قاتل عاد عادة۔‘‘یعنی ہر وہ جانور جو اچکنے والا لوٹنے والا، زخمی کرنے والا قتل کرنے والا اور دشمنی رکھنے والا ہو عادۃ۔

نوکیلے دانت والے درندے اور کیلوں سے شکار کرنے والے جانوروں کا کھانا جائز نہیں ہے۔

دلیل: مسلم کی روایت ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نهی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم عن اكل ذی ناب من السباع وعن كل ذی مخلب من الطیر۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہر کیلے والے درندے اور ہر پنجے سے شکار کرنے والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا:

اور اس حرمت میں بجو اور لومڑی بھی داخل ہے اور یہ حدیث امام شافعی علیہ الرحمہ پر حجت ہے بجو اور لومڑی کے حلال ہونے پر۔

باب مایکرہ من أكل الدواب

مالك ان احسن ماسمع فی الخیل والبغال والحمیرانها لاتؤكل ۔۔۔الحدیث

کن جانوروں کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ پالتو گدھے اور خچر کا گوشت کھانا جائز نہیں۔

دلیل: ابن ماجہ کی روایت میں ہے: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے گھوڑے، خچر اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے متعہ کو باطل فرمایا اور پالتو گدھے کے گوشت کو خیبر کے دن حرام فرمایا۔

گھوڑے کے گوشت میں اختلافِ ائمہ: امامِ اعظم و امام مالک علیہ الرحمہ۔ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

دلیل: اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿والخیل والبغال والحمیر لتركبوها وزینة ۔﴾ اللہ عزوجل کا یہ قول احسان کرنے کی جگہ واقع ہوا ہے۔ اور کھانا جانوروں کے اعلی منافع سے ہے اور حکیم اعلی منافع کے ساتھ احسان کو ترک نہیں فرماتا اور اس نے کھانے کا انعام اعلی جانوروں کے ساتھ نہیں بلکہ ادنی جانوروں کے ساتھ فرمایا ہے۔

دوسری دلیل: اللہ عزوجل نے گھوڑے، گدھے اور خچر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ تمہاری سواری اور زینت کے لئے ہیں اور دیگر چوپایوں کے بارے میں فرمایا: یہ تمہاری سواری کے لئے بھی ہیں اور تم اس میں سے کھا بھی سکتے ہو اور گھوڑے، گدھے اور خچر والی آیت میں کھانے کا ذکر نہیں فرمایا تو کھانے والی آیت کو الگ سے ذکر کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ گھوڑے، گدھے اور خچر

کا کھانا جائز نہیں ہے ورنہ الگ سے اس آیت کو ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل: حدیث خالد رضی اللہ عنہ ہے: ان النبی صلی الله علیه واله وسلم :نهی لحوم الخیل والبغال والحمیر۔

چوتھی دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ”ان النبی صلی الله علیه واله وسلم :اهدرالمتعة وحرم لحوم الحمر الاهلية يوم خيبر۔“

صاحبین وامام شافعی رحمہما اللہ تعالی کا مذہب: گھوڑے کا گوشت کھانا جائز ہے۔

دلیل: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے پالتو گدھے کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کے کھانے کی خیبر کے دن اجازت عطا فرمائی۔ جیسا کہ حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”نهی رسول الله صلی الله علیه واله وسلم عن لحوم الحمر الاهلية واذن فی لحوم الخيل يوم خيبر۔“

حدیثِ جابر کا جواب۔ حدیثِ جابر حدیثِ خالد کے معارض ہے اور اصول ہے کہ: اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام یعنی جب حلال وحرام جمع ہو جائیں تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔

ماجاء فی جلودالمیتة

عن عبدالله بن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا دبغ الاهاب فقد طهر۔

جلودِ میت۔ دباغت کرنے والے میں کوئی قید نہیں خواہ مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا، سب کے دباغت کرنے سے کھال پاک ہوجائے گی۔ اور اگر کافر نے دباغت کی ہو اور ظنِ غالب یہ ہو کہ اس نے ناپاک گھی سے دباغت کی ہے تو کھال کو دھویا جائے گا۔

دباغت کے بعد ماکول اللحم جانوروں کی کھال کھانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: کھال کھانا جائز ہے، کیونکہ وہ پاک ہے جس طرح سے ذکوۃ شرعی کے ساتھ ذبح کی گئی بکری کی کھال پاک ہوتی ہے اور بعض علماء نے فرمایا اس کا کھانا جائز نہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔ اللہ تعالی کے فرمان: حرمت علیکم المیتة کی وجہ سے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان: حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنھا کی بکری کے بارے میں کہ مردار ہے اس کا کھانا حرام ہے جبکہ اسکی کھال سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

اور اگر غیر ماکول اللحم حیوان کی کھال ہو جیسا گدھا تو اس کا کھانا اجماعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں دباغت اس کی کھال سے قوی نہیں ہے، جبکہ اسکی ذکوۃ کھال کو مباح نہیں کرتی تو دباغت کو بھی مباح نہیں کرے گی۔

نوٹ: کھال کی مذکورہ تفصیل ہمارے مذہب احناف کے مطابق ہے۔ دیگر علماء کے اس میں چند مذاہب ہیں۔

امامِ شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب: تمام وہ حیوان جو موت کے سبب نجس ہو جاتے ہیں اس کی کھال دباغت کے ذریعے پاک ہوجائے گی، سوائے کتے اور خنزیر کے اور جوان دونوں سے پیدا ہوں یا کسی ایک سے پیدا ہوں۔ آدمی ان کے نزدیک اس عموم میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ صحیح انکے نزدیک یہ ہے کہ آدمی موت کے ساتھ نجس نہیں ہوتا تو اسکی کھال بغیر دباغت کئے پاک ہوگی لیکن اسکی حرمت وکرامت کی وجہ سے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

دلیل: ابوداود، ترمذی ونسائی نے حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کیا ہے: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جو بھی کھال دباغت کرلی جائے وہ پاک ہوجائے گی۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب کھال کو دباغت کرلیا جائے تو وہ پاک ہوگی، اس باب میں دیگر احادیث ہیں، امام نووی علیہ الرحمہ نے کتے اور خنزیر کو خارج کیا ہے، کیونکہ حیوۃ دباغت سے اقوی ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ وہ تمام جانوروں کی طہارت کا سبب ہے اور دباغت صرف جلد کو پاک کرتی ہے تو جب حیوۃ ان دونوں کو پاک نہیں کرتی تو دباغت بدرجہ اولی پاک نہیں کرے گی۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب: دباغت کے ساتھ کوئی چیز پاک نہیں ہوگی اور یہی امام مالک علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ: ہر جانور کی کھال دباغت سے پاک ہوجائے گی، حتی کے کتے اور خنزیر کی کھال بھی پاک ہوجائے گی، الا یہ کہ اس کا صرف ظاہر پاک ہوگا باطن نہیں۔ اس کو خشکی میں استعمال کیا جائے گا، تری میں نہیں یعنی ٹھوس چیزوں جیسے زمین پر بچھانا، اس پر نماز پڑھنا ایسے کاموں میں استعمال کرسکتے ہیں، مائع چیزوں جیسے پانی میں ڈالنا وغیرہ کام نہیں کرسکتے۔

امام احمد بن حنبل کی دلیل: اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿حرمت علیکم المیتة۔﴾ اور یہ فرمان ہر کھال کے لئے عام ہے

دوسری دلیل: عبداللہ بن حکیم کی روایت ہے: انہوں نے کہا کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا خط مبارک ان کی وفات سے دو ماہ قبل ہمارے پاس آیا کہ تم مردار کی بغیر دباغت کی ہوئی کھال اور پٹھوں سے انتفاع نہ کرو۔

ما جاء فی من یضطر الی اکل المیتة

مالك أن احسن ما سمع فی الرجل یضطر الی المیتة انه یأ کل منها حتی یشبع ویتزود منها فان وجد عنها غنی طرحها۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا موقف: اگر پھل یا بکری بغیر اجازت کے کھاتا ہے تو لوگ اس کو چور نہ سمجھیں گے تو یہ ان کو کھالے لیکن لیجا نہیں سکتا اور اگر لوگ اسے چور سمجھیں گے تو اس صورت میں یہ مردار ہی کھائے گا۔

احناف: اضطرار کی حالت میں یعنی جب جان جانے کا اندیشہ ہے، اگر حلال چیز کھانے کے لئے نہیں ملتی تو حرام چیز

یا مردار یا دوسری کوئی چیز کھا کر اپنی جان بچائے اور ان چیزوں کے کھالینے پر کوئی مؤاخذہ نہیں بلکہ نہ کھا کر مرجانے میں مؤاخذہ ہے۔البتہ پرائی چیز کھانے میں تاوان دینا ہوگا۔

باب ماجاء فی العقیقة

مالك عن زيد بن اسلم عن رجل من بني ضمرة عن ابيه انه قال سئل رسول الله صلى الله عليه واله وسلم عن العقيقة فقال لاأحب العقوق فكانه انما كره الاسم وقال من ولد له ولدا فاحب ان ينسك عن ولده فليفعل ۔

حدیث میں جو عقیقہ کی ناپسندیدگی ہے وہ اس کے نام کا جو مشتق ہے یعنی عقوق، اس کو آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ناپسند فرمایا ہے، ورنہ تو خود آپ نے امام حسن وحسین کا عقیقہ فرمایا تھا اور عقیقے کے بارے میں آپ نے حکم دیا اور کئی احادیث بھی اس کے جواز پر دلالت بھی کرتی ہیں۔

عقیقہ اس قربانی کو کہا جاتا ہے جو بچے کی ولادت کی خوشی میں کی جائے اور عقیقے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے بچے سے بلائیں اور مصیبت ٹل جاتی ہے، حدیثِ پاک میں ہے کہ بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ گروی رکھا ہوا ہوتا ہے۔

عقیقے کے جانور کی ہڈی توڑنے میں حرج نہیں اور نہ توڑنا بہتر ہے۔

مسئلہ: شیخِ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوۃ میں فرمایا کہ: ہڈی نہ توڑنے کا مذہب امام مالک کا ہے اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔احناف کا مذہب بھی امام مالک والا ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج20،ص 591)

مسئلہ: عقیقہ کرنے سے پہلے جن بچوں کا انتقال ہوگیا ان کے مرنے کے بعد عقیقے کرنے سے والدین بروز حشر شفاعت کے حقدار ہوں گے یا نہیں۔؟ اس میں کچھ تفصیل ہے جو سیدی اعلی حضرت امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: جو مر جائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقتِ عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا، عقیقے کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے، سات دن سے پہلے مرجانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گر جاتا ہے وہ روزِ قیامت اپنا نال کھینچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولی عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرض خواہ اپنے قرض دار سے یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ: او کچے بچے اپنے رب سے جھگڑنے والے اپنے ماں، باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا۔(سنن ابن ماجہ ،ابواب الجنائز)۔ہاں جس بچے نے عقیقے کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہوگیا اور بلا عذر باوصفِ استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔

حدیث میں ہے لڑکا اپنے عقیقے میں گروی ہے۔

تیسیر میں ہے: اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچپن میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔

اشعۃ اللمعات میں ہے: امام احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اس کا معنی یہ ہے کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اس کو والدین کے حق میں شفاعت کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اعتماد اس عظیم الشان امام کے قول پر ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ امام موصوف نے اسلاف سے سنا ہوگا کہ اس کا معنی یہ ہے۔

جو بچہ قبلِ بلوغ مرگیا اور اس کا عقیقہ کردیا تھا یا عقیقے کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا ان سب صورتوں میں وہ ماں، باپ کی شفاعت کرے گا۔ جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج20، ص596)

العمل فی العقیقة

مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر لم يكن يسأله احد من اهله عقيقة الا اعطاه اياها فكان يعق عن ولده بشاة ،شاة عن الذكور والاناث.

بعض نے کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ عقیقے کو بدعت کہتے ہیں، سنت قرار نہیں دیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امامِ اعظم عقیقے کو سنتِ مؤکدہ نہیں کہتے تھے، بلکہ وہ عقیقے کو مستحب جانتے تھے، جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں محرم کا روزہ فرض تھا اور بعد میں منسوخ ہوگیا، اسی طرح شروعِ اسلام میں ہر طرح کا غسل لازم تھا لیکن جنابت کے غسل نے اسے منسوخ کردیا۔ اور ہر وہ صدقہ جو ابتدائے اسلام میں فرض تھا زکوۃ نے اسے منسوخ کردیا تو ان چیزوں کے منسوخ ہونے سے ان کا وجوب منسوخ ہوا ہے نہ کہ استحباب۔

اختلاف

امام شافعی و احمد بن حنبل: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں گی اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی جائے گی۔

امامِ اعظم و امام مالک: اس کو اختیار ہے کہ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایک، ایک بکری ہی کرے۔

اگر عقیقے کا گوشت بنایا جائے تو بہتر یہ ہے کہ میٹھا گوشت بنایا جائے اس سے بچے میں نیک و اچھی عادات پیدا ہوں گی اور جانور کی ہڈی نہ توڑی جائے یہ بھی نیک فالی ہے اور عقیقے کے جانور کی وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانور کی ہیں۔

ماتقع فیه الشفعة

مالك عن ابن شهاب عن سعيد بن مسيب وعن ابى سلمة بن عبدالرحمن بن عوف ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قضى بالشفعة فيمالم يقسم بين الشركاء فاذاوقعت الحدود بينهم فلاشفعة فيه۔

امام مالک، امام شافعی اور اہل مدینہ کے نزدیک شفعہ صرف شریک کے لئے ہے، وہ بھی اسوقت ہے جبکہ زمین تقسیم نہ کی گئی ہو۔

فی نفس المبیع

اہل عراق کے نزدیک ،شفعہ بترتیب تین اشخاص کے لئے ہے۔(1)سب سے پہلے شفعے کا حقدار شریک فی نفس المبیع ہے،جبکہ زمین تقسیم نہ کی گئی ہو۔(2)پھر وہ شخص حقدار ہے جو تقسیم ہو جانے کے بعد حقوق میں شریک ہو،مثلاً صحن وراستے میں شریک وغیرہ۔(3)ہمسایہ ان دونوں کے بعد ہے،کہ جسکی زمین مشفوع فیہ کے ساتھ متصل ہو۔

اہل مدینہ کہتے ہیں کہ:شفعہ پڑوسی اور شریک فی الحقوق کے لئے ہے اور جب زمین تقسیم ہو چکی ہو تو ان کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔

اہل عراق اور امام اعظم اور ان کے شاگردوں کی مظبوط دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابورافع نے روایت کیا ہے کہ:آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:الجار احق بسقبہ۔

دوسری حدیث آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے:''الجار احق بسقبه قيل يارسول الله صلى الله عليه واله وسلم ماسقبه ،قال شفعته۔''

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں ملتا،کیونکہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے:شفعہ اس چیز میں ہے جس کی تقسیم نہ کی گئی ہو اور جب حد بندی ہو جائے اور راستے تقسیم ہو جائیں تو شفعہ نہیں ہے،نیز شفع میں غیر کی ملکیت پر اس کی رضامندی کے بغیر ملکیت ہوتی ہے اس لئے خلافِ قیاس ہے،چونکہ غیر مقسم چیز میں شفعے کا حق شریعت کے حکم میں آگیا ہے اسی لئے خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اسی میں منحصر رہے گا اور اس پر قیاس کر کے دوسری اشیاء میں شفع ثابت نہیں کیا جائے گا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ:پڑوسی کے لئے حق شفع کا ثبوت خود حدیثِ پاک سے ثابت ہے،مصنف ابنِ شیبہ کی حدیث ہے:''الشريك احق من الخليط والخليط احق من الشفيع۔''اس حدیث پاک میں شفیع سے مراد پڑوسی ہے۔

دوسری روایت:ایک شخص نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا:کہ میری زمین ایسی جگہ واقع ہے کہ نہ تو اس میں کوئی شریک ہے اور نہ کوئی تقسیم ہے مگر اس کا پڑوسی ہے تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:''الجار احق بسقبه واسقب بابصار واقرب من الدار۔''شفع کا زیادہ حقدار پڑوسی ہے(سقب سے مراد مبیع سے قریب والا حصہ ہے)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقِ شفعہ پڑوسی کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

☆كتاب الحدود☆

ماجاء في الرجم

مالك عن نافع عن عبدالله بن عمرانه قال جاء ت اليهود الى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فذكروا له ان رجلا منهم وأمرأة زنيا فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم

ماتجدون فی التوراۃ فی شأن الرجم فقالوا نفضحهم ويجلدون فقال عبدالله بن سلام: كذبتم ان فيها الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها فوضع احدهم يده على آية الرجم فقرأء ماقبلها ومابعدهافقال له عبدالله بن سلام ارفع يدك فرفع يده فاذا فيها آية الرجم فقالوا صدق يامحمد ان فيها اية الرجم فامر بهما رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فرجما،قال عبدالله بن عمر فرأيت الرجل يحنى على المرأة يقيها الحجارة ،قال مالك: يعني يحنى ،يكب عليها حتى تقع الحجارة عليه۔

حد کا لغوی معنی: روکنا ہے۔

اصطلاحی معنی: العقوبة مقدرة حقا لله تعالی۔یعنی وہ سزا جو اللہ عزوجل کے حق کی وجہ سے مقرر کی گئی ہو۔

فوائد قیودات۔قصاص حد نہیں ہے کیونکہ اس میں بندے کا حق بھی ہوتا ہے۔تو اس قید سے قصاص نکل جائے گا اور تعزیر بھی نکل جائے گی، کیونکہ اس میں سزا مقرر نہیں ہوتی۔

احناف کے نزدیک۔کفار اگر زنا کریں تو ان پر رجم نہیں لیکن جب وہ حاکمِ اسلام کی طرف مقدمہ لے کر جائیں گے تو حاکمِ اسلام اسلامی شریعت کے مطابق ان کا فیصلہ کرے گا۔

امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف: کفار پر رجم جاری ہوگا۔

امام شافعی،امام احمد اور امام ابو یوسف رحمھم اللہ تعالی کے نزدیک: محصن ہونے کے لئے اسلام ہونا شرط نہیں۔

امامِ اعظم،امام مالک اور امام محمد رحمھم اللہ کے نزدیک محصن ہونے کے لئے اسلام شرط ہے۔

امام شافعی،احمد اور امام ابو یوسف کی دلیل: وہ حدیث ہے جس میں آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے یہودیوں کو رجم کرنے کا حکم فرمایا۔

ان کی دلیل کا جواب: یہودیوں کو رجم کرنے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا،اس کے بعد رجم کے لئے اسلام کی شرط کا حکم نازل ہوا اور اس اسلام کی شرط کے بارے میں یہ حدیثِ پاک ہے کہ: آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: من اشرک باللہ فلیس بمحصن۔جو اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرائے وہ محصن نہیں ہے۔

اختلاف۔احناف: جس طرح رجم کے لئے چار گواہوں کی گواہی دینا شرط ہے اسی طرح مقر کا اپنے نفس پر چار مختلف مجالس میں چار بار اقرار کرنا بھی شرط ہے۔

شوافع اور مالکیہ کے نزدیک: ایک مرتبہ ہی اقرار کرنا کافی ہے، دیگر حقوق پر قیاس کرتے ہوئے۔

امام احمد بن حنبل: کے نزدیک اقرار چار بار ہی ضروری ہے لیکن مجالس کا مختلف ہونا شرط نہیں ہے۔

احناف کی دلیل: حدیثِ ماعز ہے جس میں انہوں نے چار مختلف مجالس میں چار بار اقرار کیا پھر انکو رجم کرنے کا حکم

دیا گیا۔

غیر شادی شدہ اگر زنا کرے تو اس کی سزا کوڑے کے ساتھ جلاوطنی بھی ہے یا نہیں۔؟

احناف: اسے بطورِ حد کے صرف کوڑے مارے جائیں جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ﴾۔ اللہ عزوجل نے اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد فرمایا: زانی مرد اور زانی عورت کی سزا سو کوڑے ہیں اور ''فاجلدوا'' کی ف سے زانی مرد اور عورت کی سزا کی حد بیان فرمائی ہے اور اس سزا میں جلاوطنی کا ذکر نہیں فرمایا اس سے پتہ چلا کہ جلاوطنی ان کی سزا میں داخل نہیں ہے ورنہ اس کا بھی ذکر کیا جاتا۔

عقلی دلیل: تغریبِ عام میں بابِ زنا کو کھولنا ہے کہ جب اسے دوسرے شہر بھیجا جائے گا اور اس کی معرفت نہ ہوئی تو یہ کھل کر بے حیائی کے کام کرے گا۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ: غیر شادی شدہ کو کوڑے بھی مارے جائیں گے اور جلاوطن بھی کیا جائے گا۔

دلیل: آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان: ''البکر بالبکر جلد مائۃ وتغریب عام۔''

عقلی دلیل: تغریب عام میں بابِ زنا کو ختم کرنا ہے کیوں کہ جب وہ دوسرے شہر جائے گا تو قلتِ معرفت کی وجہ سے زنا سے بچا رہے گا۔

انکی دلیل کا جواب: جب حدیث آیت کے مقابلے میں آجائے تو حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا اور جلاوطنی بطورِ حد نہیں کی جائیگی، بلکہ تعزیر کے طور پر کر سکتے ہیں۔

لوطی کے بارے میں امام مالک اور امام شافعی کا مذہب: محصن ہو تو اسے رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہو تو اسے کوڑے مارے جائیں گے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: لوطی کی کوئی حد نہیں ہے، اس کے لئے صرف تعزیر ہے۔

دلیل: حضرتِ ابو صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دونوں پر دیوار گرادی جائے اور بعض نے کہا کہ ان دونوں کو جلا دیا جائے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اوپر سے اوندھا گرا کر پتھر ماریں جائیں حتی کے مر جائے۔

اگر یہ حد ہوتی تو اسکی سزا میں اختلاف نہیں ہوتا۔

محصن کی تعریف۔ ہر وہ شخص جو عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان، شادی شدہ اور کم از کم ایک مرتبہ اپنے بیوی سے نکاح صحیح میں آگے کے مقام میں صحبت کر چکا ہو۔

رجم کی حکمت۔ جنایت جتنی کامل ہوگی سزا اتنی سخت ہوگی کہ جب شریعت نے محصن کو اپنی شہوت پورا کرنے کا ایک جائز رستہ دیا اس کے باوجود اس نے حدود اللہ کو پھلانگا تو اب اسکی سزا بھی سخت ہوگی۔

کوڑے مارنے کی کیفیت۔مرد کو قمیص اتروا کر ننگی پیٹھ پر اور اسے کھڑا کر کے کوڑے مارے جائیں گے اور کوڑے مختلف حصوں پر مارے جائیں گے۔اور کوڑا بالکل سیدھا اور متوسط درجے کا ہو نہ زیادہ سخت نہ بہت ہلکا۔عورت کے لئے آدھے سینے تک گڑھا کھودا جائے گا اور عورت کو بٹھا کر کوڑے مارے جائیں گے۔

جامع ما جاء فی حد الزنا

مالك عن ابن شهاب عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود عن ابی هريرة وزيد بن خالد الجهنی ان رسول الله صلی الله عليه واله وسلم سئل عن الامة اذا زنت ولم تحصن فقال ان زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم بيعوها ولوبضفير-قال مالك قال ابن شهاب لاادری أبعدالثالثة أوالرابعة قال مالك :والضفير الحبل ـ

قول علیہ السلام:''ثم بيعوها ولوبضفير ـ''پھر اسے بیچ دو اگرچہ ایک رسی کے بدلے میں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع کم ترین (غبنِ فاحش) ثمن کے ساتھ بھی جائز ہے جبکہ باہم رضامندی سے ہو۔

اعتراض: حضور علیہ السلام نے جو چیز ایک مسلمان کے لئے ناپسند فرمائی اسے دوسرے کے حق میں کیسے پسند فرمالیا۔

جواب: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ حکم اس طور پر ارشاد فرمایا کہ مشتری کے پاس جا کر وہ سدھر جائے گی بایں طور کہ یا مشتری اس سے شادی کرلے گا یا اس سے حسنِ سلوک سے پیش آئے گا یا مشتری کی ہیبت اتنی ہوگی کہ وہ سدھر جائے گی۔اور بیع کا یہ حکم وجوباً نہیں بلکہ استحباباً تھا۔

جبکہ داؤد ظاہری کے نزدیک یہ حکم وجوباً تھا۔

مسئلہ: اگر عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا تو اس پر حد نہیں ہوگی اور اگر مرد کو سلطان مجبور کرے تو حد نہیں ہے اور اگر غیرِ سلطان مرد کو زنا پر مجبور کرے تو اس میں اختلاف ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ: غیرِ سلطان کے مجبور کرنے پر حد لگائی جائے گی۔

صاحبین: غیر سلطان کے مجبور کرنے پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

كتاب الحج

حدثنا يحی عن مالك بن انس عن عبدالرحمن بن قاسم عن ابيه عن اسماء بنت عميس انها ولدت محمد بن ابی بكر بالبيداء فذكر ذلك ابوبكر لرسول الله صلی الله عليه واله وسلم وقال مرها فليغتسل ثم لتهلل-

باب غسل المحرم

مالك عن حمید بن قیس المکی عن عطاء بن ابی رباح عن عمر بن خطاب قال لیعلی بن سنیة وهو یصب علی عمر بن خطاب ماء وهو یغتسل اصبب علی رأسی فقال یعلی أترید ان تجعلها بی ان امرتنی صببت فقال له عمر بن خطاب اصبب فلن یزید الماء الا شعثا۔

حج کا لغوی معنی: ارادہ کرنا، قصد کرنا۔

اصطلاحا: ھو زیارۃ بقاع مخصوصة بفعل مخصوص فی اشھر مخصوص ۔مقامِ مخصوص کی زیارت کرنا مخصوص فعل کے ساتھ اس کے مہینوں میں یعنی شوال، ذیقعدہ اور ذی الحج کے دس دنوں میں۔

مسئلہ: حضرت اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا جو کہ حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی زوجہ ہیں انہوں نے بچے کو جنا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان کو غسل کرنے اور احرام باندھنے کا حکم دو۔ اس سے پتہ چلا کہ غسل صرف نجاست کے لئے ہی نہیں ہوتا بلکہ احرام باندھنے کے لئے بھی غسل ہوتا ہے۔

حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے کی دو وجوہات تھیں۔(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لئے پوچھی کہ جس طرح نفاس روزے وغیرہ کو منع کرتا ہے کیا حج کو بھی منع کرتا ہے تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے غسل کا حکم ارشاد فرمایا۔(2) یا یہ معلوم کرنے کے لئے پوچھا کہ احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں۔

مسئلہ: حج میں تین غسل سنتِ مؤکدہ ہیں: (1) احرام کے لئے۔(2) دخولِ مکہ کے لئے۔(3) وقوف عرفہ کے لئے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ غسل کرنا مستحب ہیں۔

احناف کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں۔

ابنِ منذر نے اہل علم کا اس بات پر اجماع ذکر کیا ہے کہ بغیر غسل کے احرام باندھنا جائز ہے۔

اختلاف۔بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ جو شخص غسل نہ کر سکے اس کے لئے تیمّم کرنے سے سنت ادا ہو گئی یا نہیں۔؟

ابنِ قدامہ نے فرمایا: اگر وہ پانی نہ پائے تو اس کے لئے اب تیمّم سنت نہیں ہے۔

قاضی عیاض نے فرمایا: پانی نہ پائے تو تیمّم کرے گا، کیونکہ تیمّم غسل کا نائب ہے تو اسکی عدمِ موجودگی میں اس کے قائم مقام ہوگا۔

احناف: احرام کا غسل، غسلِ مسنون ہے تو جو پانی نہ پائے تو اس کے لئے تیمّم کرنا مستحب نہیں ہے۔ کیونکہ پانی سے مقصود نظافت اور طہارت ہوتی ہے اور تیمّم کرنے سے جسم آلودہ ہو جاتا ہے اور یہ بات مقصود سے خالی ہے۔

احرام کی حالت میں غسل

حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک: حالتِ احرام میں بغیر ضرورت کے غسل جائز نہیں

اور حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک بلاضرورت کے بھی جائز ہے اور یہی احناف کا بھی مذہب ہے۔لیکن ہمارے نزدیک غسل میں تین چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(1) بال نہ ٹوٹیں ورنہ صدقہ لازم آئے گا۔

(2) خوشبودار صابن استعمال نہ کرے۔

(3) جوئیں نہ مریں۔یعنی ایسی چیز استعمال نہ کرے جس سے جوئیں مر جائیں۔

امامِ مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک: بلاضرورت غسل کرنا مکروہ ہے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک: غسل میں خطمی بوٹی استعمال کرنے سے دم لازم آئے گا۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی علت: کیونکہ اس کے استعمال کرنے سے جوں مر جاتی ہے اور جوں مارنے سے دم لازم آتا ہے۔

عند الصاحبین: خطمی بوٹی کے استعمال پر صرف صدقہ لازم آئے گا۔

صاحبین کی دلیل: خطمی بوٹی صابن کی قسم سے ہے، خالص خوشبو نہیں ہے کہ اس سے دم لازم آئے۔

عند الاحناف: حیض ونفاس والی عورت کے لئے دخولِ مکہ کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

عند الامام مالک: غسل کرنا مستحب نہیں ہے۔

تیسرا اختلاف: امام مالک واحناف میں۔دن میں مکہ میں داخل ہونا مستحب ہے اور شوافع کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور شوافع کا دوسرا قول یہ ہے کہ رات میں داخل ہونا مستحب ہے۔

امام مالک کے نزدیک: پکا رنگ محرمہ کے لئے جائز ہے اور محرم کیلئے ناجائز۔

احناف کے نزدیک: دونوں کے لئے مکروہِ تحریمی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک: دونوں کے لئے مباح ہے۔

ابنِ رشد نے کہا: کہ علماء نے زرد رنگ میں اختلاف کیا ہے، امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ خوشبو نہیں ہے۔

امام اعظم اور امام ثوری کے نزدیک: یہ خوشبو ہے اس کے استعمال کرنے میں فدیہ ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک: زرد رنگ میں کوئی حرج نہیں ہے، کہ یہ خوشبو نہیں صرف رنگ ہے۔

نوٹ: اختلاف کی بنیاد زرد رنگ کے خوشبو ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔

مسئلہ: محرم کو کمر بند حاجت کی وجہ سے جائز ہے بلا حاجت جائز نہیں، اگر احرام کی مضبوطی کے لئے باندھا تو یہ مکروہ ہے۔

ہمارے نزدیک: محرم کا چہرے کو چھپانا حرام نہیں، بلکہ اس میں کراہیت ہے اور چہرہ چھپانے پر فدیہ لازم ہوگا۔

امام مالک کے نزدیک: چہرہ چھپانا حرام ہے اور محرم پر اس صورت میں دم لازم آئے گا۔

امام مالک اور امام ثوری کے نزدیک: محرم کا اگر حالتِ احرام میں انتقال ہو جائے تو مرنے کے بعد اس کے کفن و جسم پر خوشبو لگانا جائز ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور اہل ظاہر کے نزدیک: مرنے کے بعد بھی محرم کو خوشبو لگانا جائز نہیں۔

قولِ اول کی دلیل: حدیثِ پاک میں آیا کہ: ابنِ آدم جب مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے اور اس میں احرام شامل نہیں ہے، کیونکہ اگر احرام شامل ہوتا تو اس کو طواف کرانا بھی لازم ہوتا اور مناسکِ حج بھی کرائے جاتے جبکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔

مسئلہ: عورت پر حالتِ احرام میں چہرے کو کھلا رکھنا واجب ہے اور جو حدیث میں فاطمہ بنت منذر نے کہا: کہ ہم حالتِ احرام میں چہرے کو چھپاتی تھیں۔اس کے چند جوابات ہیں۔

(1) فاطمہ بنتِ منذر اس میں متفرد ہیں۔

(2) یہ قول تاویل کا احتمال رکھتا ہے کہ وہ سدل کرتی تھیں یعنی چہرے کے آگے کپڑا لٹکا دیتی تھیں اور اسکو انہوں نے چہرہ چھپانے سے تعبیر کیا۔

(3) عورت پر مخصوص لباس سے چہرے کو کھلا رکھنا واجب ہے، یعنی نقاب سے منہ چھپانا واجب ہے، غیرِ نقاب کے ذریعے منہ چھپانے میں کوئی حرج نہیں۔

جمہور کے نزدیک: رمی جمرہ اور حلق کے بعد خوشبو لگا سکتے ہیں اس سے پہلے نہیں۔

امام مالک کے نزدیک: احرام باندھنے سے پہلے یا کھولنے کے بعد خوشبو لگا سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک: کھانے میں اگر خوشبو ملی ہوئی ہو تو اس کو کھا سکتے ہیں اگر چہ وہ کھانا آگ پر نہ پکایا گیا ہو۔

امام مالک کے نزدیک: آگ پر پکانا شرط ہے۔

نوٹ: یہ مسئلہ زعفران کے علاوہ میں ہے اور اگر کھانے میں زعفران ہو تو اس کو آگ پر پکانا شرط ہے۔

مواقیت الاھلال

مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قال :يهل اهل المدينة من ذى الحليفة ويهل اهل الشام من الجحفة ويهل اهل نجد من قرن قال عبدالله بن عمر وبلغنى ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قال ويهل اهل اليمن من يلملم۔

مواقیت لغۃ میقات کی جمع ہے۔ کسی چیز کے لئے وقت مقرر کرنے کو میقات کہتے ہیں یا مدت بیان کرنے کو میقات کہتے ہیں اور وقت الشی بوقت اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کا وقت بیان کیا جائے۔ پھر میقات کے معنی میں وسعت پیدا کر دی گئی اور مکان کے لئے بھی میقات بولا جانے لگا۔ اللہ عزوجل کا فرمان: کتابا موقوتا۔ یعنی وقت اسی سے ہے۔ اور کبھی کبھار بمعنی واجب بھی آتا ہے جیسے اوجب علیہم الاحرام فی الحج۔

میقات کی اصطلاحی تعریف: کسی کام کے لئے مقرر شدہ وقت یا جگہ کو میقات کہتے ہیں۔

اصطلاح شرع میں: میقات ان مقامات کا نام ہے کہ حج وعمرہ کرنے والے یا مکے میں داخل ہونے والے ہر انسان کے لئے جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے اگر وہاں سے احرام نہ باندھے تو دم لازم آئے گا۔

کل میقات پانچ ہیں۔ (1) اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ۔ (2) اہل شام کے لئے جحفہ۔ (3) اہل نجد کا قرنِ منازل۔ (4) اہل عراق کا ذات عرق (5) اہل یمن کا یلملم۔

مسئلہ: اگر کسی کے راستے میں دو میقات آتے ہوں اور وہ پہلے میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے اور دوسرے میقات سے احرام کے ساتھ گزرے تو ایک قوم کے نزدیک اس پر دم ہوگا، اس کے قائل امام مالک اور ان کے بعض اصحاب ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک: اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

علمائے احناف کے نزدیک: جو دو میقاتوں سے گزرے تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ دور والے میقات سے احرام باندھے اور اگر اس نے دوسرے میقات سے احرام باندھا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

اور حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مقام فرع سے احرام باندھا تھا تو اس صورت میں بھی انہوں نے میقات سے تجاوز نہیں کیا تھا یعنی مقامِ جحفہ کے بعد احرام باندھا تھا اور اس کے آگے ایک اور میقات تھا۔

اختلاف: حج کا احرام میقات سے پہلے باندھنا افضل ہے یا میقات سے باندھنا افضل ہے۔

امام مالک، احمد واسحٰق کے نزدیک: میقات سے احرام باندھنا افضل ہے۔

امام اعظم وامام شافعی کے نزدیک: میقات سے احرام باندھنے کی رخصت ہے اور اس سے پہلے باندھنا افضل ہے۔

جو شخص حج وعمرہ یا مکے میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو اسکے لئے مکے میں بغیر احرام کے داخل ہونے پر دم لازم آئے گا، مکے ومدینے سے باہر کے آنے والوں کو آفاقی کہتے ہیں اور حرم سے باہر رہنے والوں کو حلی کہتے ہیں اور حرم کے اندر رہنے والوں کو حرمی کہتے ہیں۔

التلبیۃ والعمل فی الاہلال

مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر ان التلبية رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لبيك

اللھم لبیک ،لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک۔

ابنِ رشد نے کہا: علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ احرام بغیر نیت کے نہیں ہوسکتا اور اختلاف اس بات میں ہے کہ بغیر تلبیہ کے نیت کافی ہوگی یا نہیں۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالی کے نزدیک بغیر تلبیہ کے نیت کافی ہے۔

امامِ اعظم کے نزدیک: حج میں تلبیہ کی احرام باندھنے میں وہ حیثیت ہے جو تکبیر تحریمہ کی نماز میں جس طرح نماز بغیر تکبیر کے شروع نہیں ہوسکتی اسی طرح تلبیہ بھی احرام کے لئے شرط ہے۔

ابن رشد نے کہا: امام مالک علیہ الرحمہ تلبیہ کو حج کے ارکان سے شمار نہیں کرتے اور اس کے تارک پر دم کے قائل ہیں۔

امام مالک کے علاوہ ائمہ: تلبیہ کو حج کے ارکان میں سے شمار کرتے ہیں۔

ملا علی قاری نے کہا: احرام حج کا فرض ہے باجماعِ امت۔

ہمارے نزدیک احرام شرط ادا ہے رکن نہیں ہے۔

امام مالک وشافعی کے نزدیک: احرام حج کا رکن ہے۔

لبیک اصل میں تثنیہ ہے ۔اس کا معنی ہے اجابت بعدِ اجابت ۔یعنی ایک دعوت کے بعد دوسری دعوت کو قبول کرنا۔اور احسن یہ ہے کہ اس کا معنی: پیروی کے بعد دوبارہ پیروی کرنا ہے اس کام میں جس کا اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے۔

ملا علی قاری سے تعلیق الممجد میں ہے کہ لبیک کی تکرار تاکید کی وجہ سے ہے۔یا دو مختلف حالتوں کے اعتبار سے ہے، یعنی غنا وفقر، نفع وضرر، خیر وشر یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک کا وقوع عالم ارواح میں ہے اور دوسرے کا عالم اشباح میں ہے۔

ان الحمد میں ان کے اعراب کی دو حالتیں ہیں ۔(1) اگر اِن پڑھتے ہیں تو استیناف مراد ہوگا۔(2) اگر ان پڑھیں تو تعلیل پر عطف ہوگا۔عند الجمھور کسرہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

زمخشری نے نقل کیا ہے کہ: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کسرہ کو اختیار کیا ہے ۔اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے فتح کو اختیار کیا ہے

النعمة ۔کسرہ سے پڑھیں تو احسان مراد ہے اور اگر فتح سے پڑھیں تو تنعیم (یعنی نعمت میں رہنے والا) مراد ہے۔

ملا علی قاری نے کہا: حمد کو نعمت پر مقدم کرنے میں حمد کے معنی کے عموم کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنی ذات کے اعتبار سے ہی حمد کا مستحق ہے، برابر ہے کہ وہ نعمت کرے یا نہ کرے۔

نہایہ میں ہے کہ: سعدیک، بغیر لبیک کے مسموع نہیں ہے۔

☆ قولہ: ''والرغباء''۔ادب کی وجہ سے نیکی کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کی جائے گی نہ کہ شر کی۔

☆ قولہ: العمل: یعنی عمل تیری رضا کے لئے ہے۔ یا عمل تیرے حکم وتوفیق کے سبب ہے۔ یا ہر عمل جو ہے رد وقبول میں تیری طرف ہی لوٹتا ہے۔

حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ایک اعتراض۔ آپ کثرت سے اتباعِ سنت کرنے والے ہیں لیکن جن کلمات کی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے زیادتی نہیں کی، آپ نے ان کی زیادتی کی ہے۔ اس میں بظاہر اتباعِ سنت نظر نہیں آتا۔

پہلا جواب: دعائیہ کلمات میں زیادتی کرنا منسوخ نہیں ہے، زیادتی کر سکتے ہیں، اسی وجہ سے آپ نے زیادتی فرمائی۔

دوسرا جواب: آپ نے سمجھا کہ ان کلمات پر اقتصار موقوف نہیں ہے اور کثرت عمل سے ثواب زیادہ ہوتا ہے اور آپ علیہ السلام کا اختصار کرنا قدرِ کفایت مقدار کو بیان کرنے کے لئے تھا۔

ولی عراقی نے اس کا جواب دیا کہ اس میں سنت کو غیرِ سنت کے ساتھ ملانا نہیں ہے، بلکہ انہوں نے جب آپ علیہ السلام سے یہ کلمات سنیں تو ان کو بھی ملا دیا اور باب الاذکار میں زیادتی کرنے پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

اختلاف: احرام کونسی نماز کے بعد باندھنا سنت ہے؟

عندالاحناف: دو رکعت نفل نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھنا سنت مستحبہ ہے۔

عندالمالک: حج وعمرہ کرنے والا چاہے تو فرض کے بعد احرام باندھے۔ یا نفل کے بعد اس کو اختیار کرے۔ امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ: نماز کے بعد جب سواری کھڑی ہو جائے اور چلنا شروع ہو جائے اس وقت احرام باندھنا سنت ہے۔

احادیث میں تین طرح کی روایات ہیں۔ (1) آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے مسجدِ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا۔ (2) جب آپ کی سواری کھڑی ہوگئی اس وقت احرام باندھا۔

(3) جب آپ مقامِ بیداء پر چڑھے تو اس وقت احرام باندھا۔

ان تینوں روایات میں سے امام مالک کے نزدیک افضل یہ ہے کہ سواری کھڑی ہو جاے اور اپنے راستے کی طرف چلنا شروع کردے اسوقت احرام باندھے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نماز کے بعد احرام باندھے یعنی نفل پڑھنے کے بعد۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ کہنا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہو۔ اس سے ان کی مراد حقیقتا ان پر جھوٹ کا قصد کرنا نہیں ہے، آپ چونکہ انتہائی طور پر متبع سنت تھے تو آپ کو یہ بات گوارہ نہ ہوئی کہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احرام باندھنے کی جگہ میں ذرا سی بھی اونچ نیچ بیان کرے۔

رفع الصوت بالاھلال

مـالك عـن عبدالله بن ابی بکر بن محمد بن عمر وبن حزم عن عبد الملك بن ابی بکر بن الـحـارث بـن هشـام عـن خـلاد بن السائب الانصاری عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه واله وسـلـم قـال :اتـانـی جبـرئیـل فـأمـرنـی ان أمر أصحابی أؤ من معی ان یرفعوا اصواتهم بالتلبیة او بالاهلال یرید احدهما۔

امام ثوری وشافعی کے نزدیک: تلبیہ میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔

امام مالک سے اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ابن قاسم کی روایت میں ہے کہ مسجد حرام ومسجد منی کے سواء کسی مسجد میں بلند آواز سے تلبیہ نہیں کہی جائے گی۔امام شافعی کا قولِ قدیم بھی یہی ہے۔لیکن اس میں مسجد اقصی کا اضافہ ہے۔اور امام شافعی کا قولِ جدید یہ ہے کہ مطلقا ہر مسجد میں تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

علامہ باجی علیہ الرحمہ نے کہا: تلبیہ شعار حج میں سے ہے، حاجی کے لئے مناسکِ حج میں اس کا عمدا ترک کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے اسے عمدا یا سہوا ترک کیا تو دم لازم ہوگا۔

امام شافعی کے نزدیک: اس پر دم لازم نہیں ہوگا۔

افراد الحج

مـالك عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیه عن عائشة ام المومنین ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم :افرد الحج ۔

اختلاف: اشہر حج سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز ہے یا نہیں ۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، عند القدماء: اشہر حج سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے، اگر احرام باندھ لیا تو درست ہوگا اگر حج کے وقت تک اپنے احرام پر باقی رہے تو یہ جائز ہے۔اس پر امام احمد نے نص فرمائی ہے، اور یہی امام مالک، امام ثوری، امامِ اعظم اور امام اسحاق رحمھم اللہ تعالی اجمعین کا قول ہے۔

امام شافعی، امام طاؤس اور حضرت عطاء کے نزدیک: اشہرِ حج سے پہلے حج کا احرام نہیں ہوسکتا۔

دلیل اللہ تعالی کا فرمان: ﴿الحج اشهر معلومات۔﴾ ترجمہ: کنز ایمان: حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے۔ (سورۃ البقرہ، آیت 197) اس سے معلوم ہوا کہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام نہیں باندھا جائے گا۔

ہماری دلیل: آیت: ﴿یسئلونك عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج ۔﴾ ترجمہ: کنز ایمان: تم سے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرمادو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لئے۔ (سورۃ البقرہ، آیت 189)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام مہینے حج کا وقت ہیں۔

ابنِ قدامہ نے کہا: حج کا احرام تین طرح سے باندھ سکتے ہیں۔ تمتع ۔ افراد اور قران کے طور پر، ان میں سے کونسا افضل

ہے اس میں اختلاف ہے۔

امام مالک کے نزدیک: پہلے تمتع۔ پھر افراد، پھر قران افضل ہے۔

عند الاحناف: پہلے قران، پھر تمتع، پھر افراد افضل ہے۔

عند الشافعی: پہلے افراد افضل ہے۔

امام قسطلانی نے مواہب میں فرمایا کہ: امام شافعی علیہ الرحمہ اس طرف گئے ہیں کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے حج افراد فرمایا تھا اور اس کے ساتھ عمرہ نہیں کیا تھا۔

حافظ نے فتح القدیر میں فرمایا: کہ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک یہی مشہور ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حج تمتع فرمایا۔ عمرے کا احرام باندھنے کے بعد پھر حج کا احرام باندھا۔

قاضی ابویعلی نے اسی طرح فرمایا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ حج تمتع فرمایا: لیکن ھدی کو بھیجنے کی وجہ سے احرام نہیں کھولا اور آپ قارن نہیں تھے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ: حجِ قران فرمایا: اور اس کے لئے دو طواف اور دو سعی کیں۔ امام ابنِ ہمام نے فرمایا کہ یہی ہمارے علمائے احناف کا مذہب ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ: حج افراد فرمایا: اور مقام تنعیم سے عمرے کا احرام باندھا۔

حجۃ الوداع میں صحابہ کرام علیھم الرضوان کی تعداد۔ پہلا قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے ساتھ نوے ہزار صحابہ کرام تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ: ایک لاکھ، چودہ ہزار صحابہ کرام تھے۔

اہلال اہل مکۃ ومن بہا من غیرھم۔

مالك عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابيه ان عمر بن الخطاب قال :يااهل مكة ماشأن الناس ياتون شعثا وانتم مدهنون اهلوا اذارايتم الهلال۔

عند الامام مالک: اہل مکہ کیلئے مستحب ہے کہ جب وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھیں تو احرام باندھیں تا کہ وہ کنگھی کرنے اور بالوں میں تیل لگانے سے باز رہیں یہی حکم اس شخص کے لئے ہے جو حج کا احرام باندھے۔

علامہ باجی علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہی قول امام اعظم، امام ابوثور اور ایک جماعت کا ہے۔

بعض مالکیہ اور امام شافعی کے نزدیک: افضل یہ ہے کہ یوم ترویہ یعنی آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھے۔

سوال: اھل مکہ کہاں سے احرام باندھیں گے؟

جواب: جو مکے سے حج کا احرام باندھنا چاہے وہ مکے کا رہنے والا ہو یا مقیم ہو وہ جوفِ مکہ سے احرام باندھے گا۔

اشہب نے امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت کیا: کہ وہ داخل مسجد حرام سے احرام باندھے گا۔
ابن حبیب نے امام مالک سے روایت کیا: کہ وہ باب مسجد سے احرام باندھے گا اور وہ احرام کے لئے حل کی طرف نہیں جائے گا۔ علامہ باجی علیہ الرحمہ نے فرمایا: یہ قول اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ تمام حرم سے احرام باندھنا مباح ہے، اسے اختیار ہے کہ داخل مسجد سے احرام باندھے یا بابِ مسجد سے احرام باندھے، تو جس نے حرم سے احرام باندھا اس پر دم نہیں ہے۔

جس شخص نے بیت اللہ کا طواف اور سعی کو مقدم کیا تو مدونہ میں ہے کہ یہ طواف اسکو کفایت نہیں کرے گا اور عرفہ سے لوٹے کے بعد اس کا اعادہ کرے گا اور اگر اعادہ نہ کیا یہاں تک کہ اپنے شہر لوٹ گیا تو اس پر دم دینا لازم ہے۔

عندالاحناف: افضل یہ ہے کہ سعی کو موخر کرے لیکن ازدحام کی وجہ سے اگر کوئی سعی کو مقدم کرتا ہے تو اسے رخصت ہے۔

حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنھما سے جو مختلف روایات آئیں ہیں کہ کبھی انہوں نے یکم ذی الحج کو احرام باندھا، کبھی جوفِ مکہ سے اور کبھی منی میں جاتے ہوئے۔ تو ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ وہ احرام میں وسعت کے قائل تھے۔

عندالجمہور۔ جو مکے میں رہنے والا ہے وہ عمرے کے لئے حل سے احرام باندھے گا، ابنِ قدامہ نے اس پر اجماع ذکر کیا ہے

ماتفعل الحائض فی الحج

مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر كان يقول :المراة الحائض التى تهل بالحج او العمرة انها تهل بحجها او عمرتها اذا ارادت ولكن لاتطوف بالبيت ولا بين الصفا والمروة وهى تشهد المناسك كلها مع الناس غير انها لاتطوف بالبيت ولا بين الصفا والمروة ولا تقرب المسجد حتى تطهر۔

عورت کا حیض و نفاس میں مسجد میں جانا حرام ہے۔

سوال: عورت کو صفا و مروہ کی سعی سے منع کیوں کیا گیا۔؟

جواب: سعی طواف کے بعد ہوتی ہے تو جب طواف منع ہے تو وہ سعی بھی نہیں کرے گی کیونکہ طواف سے پہلے خالی سعی کرنے کا فائدہ نہیں ہوگا کہ سعی طواف کے تابع ہوتی ہے جب طواف نہیں کرسکتی تو سعی کرنے سے حج کا رکن ادا نہیں ہوگا لھذا وہ پہلے بقیہ مناسکِ حج ادا کرے۔ اور اگر اس عورت نے طواف
کیا اور پھر حیض آیا تو سعی کرسکتی ہے۔

العمرة فى اشهر الحج

مالك عن هشام بن عروة عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم :لم يعتمر

الا ثلاثا احداهن فی شوال واثنتین فی ذی القعدة۔

اشہر حج میں صرف عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اشہر حج میں صرف عمرہ کرنا جائز ہے۔

اشہر حج میں عمرہ کے جواز کا بیان کرنا اس وجہ سے ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اشہر حج میں عمرہ کرنے کو گناہ سمجھتے تھے تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے قولا وفعلا اسے باطل فرمایا اور اسی وجہ سے آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے اصحاب کو حج فسخ کر کے عمرے کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تا کہ اس کا جواز مشہور ہو جائے۔

احناف کے نزدیک یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق کے دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

اثرم نے نقل کیا ہے کہ جب کوئی شخص عمرہ کرے اور اسے حلق وقصر کرنا ضروری ہو تو وہ اس کے بعد دس دن تک عمرہ نہ کرے تا کہ ان دس دنوں میں اس کے لئے حلق کروانا ممکن ہو جائے۔

ابن قدامہ نے کہا: یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک عمرہ کرنے کی کراہیت ان دس دنوں سے پہلے میں ہے۔

سوال: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے کتنے عمرے کئے۔؟

امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک: آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے تین عمرے کئے۔

ہمارے نزدیک آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے چار عمرے کئے ہیں۔ اور جو تین عمرے کئے ہیں وہ ذو القعدہ میں کئے ہیں اور چوتھا عمرہ ذی الحج میں حج سے پہلے کیا تھا۔ اور جن روایات میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے تین عمرے کئے اس سے مراد حج کے علاوہ تین عمرے ہیں۔ اور جہاں چار عمرے کا ذکر ہے وہاں حج والا عمرہ بھی شامل ہے۔

مسئلہ: جو شخص اشہر حج میں عمرہ کرے تو اس پر حج کرنا لازم نہیں ہے البتہ اس کو اجازت ہے کہ وہ اس عمرے کے بعد حج قران یا تمتع کر لے۔

باب قطع التلبية فی العمرة

مالك عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان يقطع التلبية فى العمرة اذا دخل الحرم۔

عمرے میں تلبیہ کو کب ختم کیا جائے؟

ابن قدامہ نے کہا: کہ معتمر جب حجر اسود کا استیلام کر لے تو وہ تلبیہ کو موقوف کر دے، یہی حضرت ابن عباس، حضرت عطا، عمرو بن میمون، طاؤس، نخعی، امام ثوری، امام شافعی، امام اسحاق اور اصحاب رائے کا قول ہے۔

حضرت ابن عمر، حضرت عروہ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم اجمعین نے فرمایا: کہ جب معتمر حرم میں داخل

ہوگا تو اس وقت تلبیہ کو ختم کرے گا۔

سعید بن میبّ نے کہا کہ: جب وہ کعبے کی چھت کو دیکھے گا تو تلبیہ ختم کرے گا۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ جب حرم پہنچ جائے گا تو اس وقت تلبیہ ختم کردے گا اور یہی احناف کا بھی قول ہے۔

باب ماجاء فی التمتع

مالك عن بن شهاب عن محمد بن عبدالله بن الحارث بن نوفل بن عبدالمطلب انه حدثه انه سمع سعد بن ابی وقاص والضحاك بن قیس عام حج معاویة بن ابی سفیان وهما یذکران التمتع بالعمرة الی الحج فقال الضحاك بن قیس لایفعل ذلك الا من جهل امر الله عزوجل فقال سعد بئس ما قلت یاابن اخی فقال الضحاك فان عمربن خطاب قد نهی عن ذلك فقال سعد قد صنعها رسول الله صلی الله علیه واله وسلم وصنعناهامعه۔

مالك عن صدقة بن یسار عن عبدالله بن عمر انه قال والله لان اعتمر قبل الحج واهدی احب الی من ان اعتمر بعد الحج فی ذی الحجة۔

لغت میں تمتع، تلذذ کو کہتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں: سالِ واحد میں اشہر حج کے اندر دو عبادتوں سے فائدہ اٹھانا بغیر کسی دوسری مشغولیت کے۔

روایت میں جو آیا ہے کہ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے تمتع سے منع فرمایا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ممانعت کی وجہ سے تھا کہ وہ تمتع کرنے سے منع کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کو تمتع سے منع فرماتے تھے جو اپنا حج فسخ کرکے پھر عمرہ کرے اور پھر حج کرے کیونکہ حج فسخ کرکے عمرہ کرنا یہ امر صحابہ کرام علیھم الرضوان کے ساتھ خاص تھا، اس کی دلیل زاد المعاد کی یہ حدیث مبارکہ ہے: "حارث بن بلال عن ابیه قال قلت یارسول الله صلی الله علیه واله وسلم أ فسخ الحج لنا خاصة ام به الناس عامة قال بل لناخاصة۔"

اشہر حج میں اختلاف:

ابن قدامہ نے کہا: اشہر حج شوال، ذوالقعدۃ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں یہی حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور احناف کا قول ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک: شوال، ذوالقعدہ اور پورا ذی الحج ہے۔

امام مالک کی دلیل: اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿اشهر معلومات﴾۔ اشہر جمع ہے اور اقل جمع تین ہیں لہذا پورے تین

مہینے مراد ہوں گے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: شوال اور ذوالقعدہ پورے شامل ہیں اور دس حج کی صرف رات شامل ہے، دن شامل نہیں

دلیل: ومن فرض فیھن الحج۔ وہ کہتے ہیں، رات کے بعد فرضِ حج ادا کرنا ممکن نہیں۔

ہماری دلیل: آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے: یوم الحج الاکبر یوم النحر۔ اس کو امام داؤد نے روایت کیا ہے اور یہ بات کیسے جائز ہو سکتی ہے کہ یومِ حج اکبر، حج کے دنوں میں شمار نہ ہو اور اس میں جلیل القدر صحابہ کرام کے اقوال بھی شامل ہیں، کیونکہ یومِ نحر میں حج کا دوسرا بڑا رکن ادا کیا جاتا ہے اور وہ طوافِ زیارت ہے اور اس دن کثیر افعالِ حج ادا کیے جاتے ہیں، جیسے سعی، حلق ذبح وغیرہ۔

اور جو دس ذوالحج کے بعد دن ہیں وہ اشہر حج میں شامل نہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا رد: دو اور تیسرے کے بعض پر جمع (اشھر) کا اطلاق درست اور شائع ہے

دلیل: اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ثلثة قروء۔﴾ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک: قروء سے مراد یہاں طہر ہے، اگر کسی نے اپنی بیوی کو طہر میں طلاق دی تو اس طہر کا بعض اور دو پورے طہر مراد لئے جائیں گے اور اس پر جمع کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿الحج اشھر معلومات۔﴾ کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنھما سے امام حاکم نے روایت کیا: کہ اس سے مراد شوال، ذوالقعدۃ اور ذوالحج کے دس دن ہیں۔ اور صحابی کی تفصیل حکمِ مرفوع میں ہوتی ہے تو اس سے استدلال مکمل ہو گیا۔

احناف کے نزدیک: جو شخص عمرہ کرنے کے بعد مکے میں رکا رہا اور اس نے حج کیا تو اس پر ھدی لازم ہوگی اور اگر ھدی نہ دے تو اس پر دم لازم ہوگا، یعنی ایک بکری کو ذبح کرنا لازم ہے۔

امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک: اس پر بدنہ لازم ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کی دلیل: جب آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے حجِ تمتع کیا تو بدنہ دیا۔

ہماری دلیل: اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿فمااستیسر من الھدی﴾ تو اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے۔ (بقرہ، 196)

یہاں مطلق ھدی کا بیان کیا گیا ہے کہ جو بکری بھی ذبح کرے گا تو وہ بھی اس کو کافی ہوگی۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا آقا علیہ السلام کے قول سے دلیل پکڑنا درست نہیں، کیونکہ آپ علیہ السلام نے سو بدنہ بھیجے تھے اور بدنہ بھیجنا، بدنہ سے کم کی نفی نہیں کرتا۔

متمع پر جو قربانی واجب ہوتی ہے وہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک دمِ شکر کے طور پر ہوتی ہے۔ اور امام مالک علیہ

الرحمہ کے نزدیک دمِ جنایت ہے۔

مالایجب فیہ التمتع

قال مالک :من اعتمر فی شوال او ذی القعدة او ذی الحجة ثم رجع الی اهله ثم حج من عامه ذلك فليس عليه هدی انما الهدی علی من اعتمر فی اشهر الحج ثم اقام بمكة حتى الحج ثم حج۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے اس میں برابری کی ہے کہ اس کا عمرہ میقات سے ہو یا غیر میقات سے کیونکہ جو اہل مکہ میں سے نہ ہو جب وہ اشہرِ حج میں مکے سے عمرہ کا احرام باندھے اور اسی سال حج کرے گھر لوٹنے سے پہلے تو وہ متمتع ہے اور جو اہل مکہ میں سے ہو اور اس نے اشہرِ حج میں میقات سے عمرہ کیا تو وہ متمتع نہیں ہوگا اگرچہ اسی سال حج بھی کر لے، کیونکہ تمتع کی شرط میں میقات وغیرِ میقات سے احرام باندھنا داخل نہیں ہے۔ احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔

علامہ قاضی نے شرح لباب میں فرمایا: اگر مکی اشہرِ حج میں آفاق کی طرف نکلا یا اس سے پہلے اور اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کے لئے مکے میں داخل ہوا اور اسی سال حج بھی کیا تو وہ سنت کے طریقے کے مطابق متمتع نہیں ہوگا، خلل کے پائے جانے کی وجہ سے۔ اللہ عزوجل کا فرمان: ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام۔ احناف اس بارے میں فرماتے ہیں: اس آیت میں تمتع کی طرف اشارہ ہے یعنی تمتع اس شخص کے لئے کرنا جائز ہے جس کے اہل مسجد حرام کے قریب نہ رہتے ہوں۔

اور شوافع نے فرمایا: یہ آیت وجوبِ ہدی اور صیام کے حکم کی طرف اشارہ ہے۔

مسجد حرام کی حاضری سے کیا مراد ہے؟

نافع اور اعرج نے فرمایا: اس سے بعینہ اہل مکہ مراد ہیں اور یہی امام مالک کا قول ہے اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار فرمایا ہے۔ امام طاؤس نے فرمایا: اس سے مراد اہل حرم ہیں۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد اہل میقات ہیں۔

حضرتِ مکحول نے فرملیا: جس کا مکان میقات کے بعد ہو یا قریب ہو وہ مراد ہیں۔ یہی امام شافعی کا بھی قولِ قدیم ہے اور قولِ جدید میں انہوں نے فرمایا: اہل مکہ میں سے جو مسافتِ قصر سے کم فاصلے پر ہوں وہ مراد ہیں اور یہی امام احمد کا قول ہے۔

ہماری دلیل: کسی چیز کے پاس حاضر ہونے سے مراد اسکے قریب ہونا مراد ہوتا ہے اور جو شخص مسافتِ قصر سے کم فاصلے پر ہو وہ حاضر کے حکم میں ہے، کیونکہ اس دلیل کی وجہ سے کہ جو مسافتِ قصر سے کم سفر کا ارادہ کرے تو اسکو سفر والی رخصت نہیں ملے گی تو وہ شہر کے حاضرین میں سے ہو گیا۔

جامع ماجاء فی العمرة

مالك عن سمی مولی ابی بکر بن عبدالرحمن عن ابی صالح السمان عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم :قال:العمرة الی العمرة کفارة لمابینهماوالحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة۔

لغت میں عمرہ کہتے ہیں: زیارت وقصد کو۔

اصطلاح شرع میں: بیت الحرام کی خاص کیفیت اور مخصوص شرائط کے ساتھ زیارت کرنے کو عمرہ کہتے ہیں۔

اہلِ علم نے عمرے کے حکم کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ابنِ رشد نے فرمایا: ایک قوم نے کہا: عمرہ واجب ہے اسی کے قائل امام شافعی، امام ثوری، حضرتِ ابن عباس اور تابعین کی ایک جماعت ہے۔

امام مالک اور ایک جماعت نے فرمایا: عمرہ سنتِ موکدہ ہے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمرہ نفل ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان۔العمرۃ الی العمرۃ۔علامہ باجی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس میں یہ احتمال ہے کہ ''الی'' بمعنی ''مع'' ہو یعنی عمرے کے ساتھ عمرہ کرنا، جیسے اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿لاتاکلوا اموالھم الی اموالکم﴾۔یعنی ان کے اموال اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔

لحاظہ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا، عمرے کے ساتھ عمرہ کرنا ان کے بیچ میں ہونے والے گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔

علامہ باجی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''ما'' الفاظِ عموم میں سے ہے تو یہ لفظ کی جہت کے اعتبار سے اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ دو عمروں کے درمیان جو بھی گناہ ہوئے وہ مٹا دیے جائیں گے۔مگر جس کو دلیل نے خاص کرلیا ہو۔

حافظ نے فرمایا: ابنِ عبدالبر نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ: یہاں مراد صغائر کا مٹانا ہے نہ کہ کبائر کا۔

علماء کی ایک جماعت اس کی تعمیم کی طرف گئی ہے، اور اس کے انکار میں مبالغہ کیا ہے۔

حجِ مبرور کی تعریف میں اختلاف: علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا: کہ ایک قول یہ ہے کہ حج مبرور سے وہ حج مراد ہے جس میں ریاکاری کو کچھ سنانا جھگڑا، جماع فسق میں سے کچھ بھی نہ ہو اور وہ مال حلال کے ساتھ ہو۔

علامہ باجی نے فرمایا: حج مبرور میں یہ احتمال ہے کہ: اس کے کرنے والے نے اس کو خالص نیکی کی نیت سے کیا ہو۔

مبرور کا معنی: جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور وہ اللہ عزوجل کے نزدیک مقبول ہو۔

حدیثِ پاک میں آیا: اعتمری فی رمضان فان عمرۃ فیہ کحجۃ۔ابن خزیمہ نے فرمایا: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک شی دوسری شی سے مشابہت رکھتی ہے اور اسکو اس شی کے برابر ٹھہرایا جاسکتا ہے، جبکہ وہ بعض معنی

میں مشابہت رکھے نہ کے جمیع معنی میں، کیونکہ عمرے سے حج کا فرض اور نذر ادا نہ ہوگی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کا فرمان: افصلوا بین حجکم وعمرتکم ۔ علامہ باجی نے فرمایا: اس میں لفظ

کے اعتبار سے فصل کا احتمال ہے، یعنی دونوں کا احرام الگ الگ باندھو۔

جس شخص نے عمرہ فاسد کر دیا اس پر کیا چیز لازم ہوگی؟

جمہور نے کہا: اس پر کفارے میں بکری کو ذبح کرنا لازم ہوگا۔

علامہ موفق نے فرمایا: جس نے احرام کھولنے سے پہلے وطی کی اس کا عمرہ فاسد ہوگیا اور اس پر عمرہ کی قضاء لازم ہے اور

بکری ذبح کرنا واجب ہے۔

امام شافعی نے کہا: اس پر عمرے کی قضاء اور بدنہ لازم ہے۔ کیونکہ عمرہ ایسی عبادت ہے جو طواف اور سعی پر مشتمل ہے جو حج

کی طرح ہے اور حج فاسد کرنے پر بدنہ لازم ہوتا ہے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس نے طواف کے چار پھیروں سے پہلے وطی کر لی تو اس پر بدنہ لازم ہوگا اور اگر

چار پھیروں کے بعد وطی کی تو اس پر بکری لازم ہے اور عمرہ بھی فاسد نہیں ہوگا۔

جمہور کی دلیل: عمرہ ایسی عبادت ہے جس میں وقوف نہیں ہے تو اس میں بدنہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ عمرہ حج سے کم درجے

کی عبادت ہے۔

امام اعظم نے فرمایا: اگر اس نے عمرہ فاسد کر لیا تو اس کو حل سے احرام باندھنا جائز ہے۔

دلیل: جب وہ مکے میں جائز طور پر داخل ہوا تو وہ اہل مکہ میں سے ہوگیا اور عمرہ کے لیے مکی کی میقات حل ہے۔

مالکیہ کے نزدیک: طہارت طواف کی شرط ہے، کیوں کہ صحت سعی، صحت طواف پر موقوف ہے اور طہارت کے فوت

ہونے کی وجہ سے صحتِ طواف بھی باطل ہو جائے گی۔

احناف کے نزدیک: طہارت طواف کے لئے شرط نہیں ہے تو عمرہ بھی فاسد نہیں ہوگا اسی وجہ سے اس کی قضاء بھی نہیں

ہوگی۔ لیکن اگر اکثر طواف کے چکر بے وضو لگائے تو دم کے طور پر بکری ذبح کرنا لازم ہے اور عورتوں کا حکم اس میں مردوں کے حکم

کی مثل ہے۔

تنعیم کو تنعیم کہنے کی وجہ تسمیہ:

تنعیم مکے سے تین، چار کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے اور اس کی دائیں طرف جبلِ نعیم ہے اور بائیں طرف جبل ناعم

ہے اور اس وادی کا نام نعمان ہے، اس وجہ سے اسے تنعیم کہتے ہیں۔

امام طحاوی نے فرمایا: کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اہل مکہ کے عمرے کے لئے میقات مقامِ تنعیم ہے اس سے تجاوز

کرنا جائز نہیں، جس طرح حج کی میقات سے تجاوز جائز نہیں ہے۔

دیگر علماء نے ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا کہ عمرے کی میقات مقامِ حل ہے۔

امام مالک نے فرمایا: اہل مکہ خاص طور پر مقام تنعیم سے احرام باندھیں گے۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ: حل کی تمام جہات احرام کے لئے برابر ہیں، تنعیم کی کوئی خصوصیت نہیں، جو چاہے حل کی کسی بھی جگہ سے احرام باندھ سکتا ہے، تو یہ حرم سے حل کی طرف نکلنا کہلائے گا اور اسے کفایت کرے گا، لیکن افضل یہ ہے کہ وہاں سے احرام باندھے جو جگہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے مقرر فرمائی اور وہ مقامِ تنعیم ہے۔ یا اس سے دور مقامِ جعرانہ سے احرام باندھے۔

کس مقام سے مکی کے لئے احرام باندھنا افضل ہے؟

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک: مقامِ تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے۔

امامِ شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک افضل مقامِ جعرانہ ہے، پھر تنعیم ہے پھر جو اس کے بعد ہے۔

احناف کی دلیل: اگرچہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے مقامِ جعرانہ سے احرام باندھا لیکن آپ علیہ السلام نے حضرتِ عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ اپنی بہن حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقامِ تنعیم کی طرف لے جائیں تاکہ وہ وہاں سے احرام باندھیں اور حدیثِ قولی، حدیثِ فعلی پر فوقیت رکھتی ہے۔ جبکہ شوافع کے نزدیک حدیثِ فعلی، حدیثِ قولی پر فوقیت رکھتی ہے۔

حجامة المحرم

مالك عن يحى بن سعيد عن سليمان بن يسار ان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم: احتجم وهو محرم فوق راسه وهو يومئذ بلحى جمل مكان بطريق مكة۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک: محرم ضرورت کی وجہ سے پچھنے لگوا سکتا ہے۔

جمہور واحناف کے نزدیک: ضرورت وبلاضرورت دونوں صورتوں میں پچھنے لگوا سکتا ہے۔

ما يجوز للمحرم اكله من الصيد۔

مالك عن زيد بن اسلم ان عطاء بن يسار اخبره عن ابى قتادة فى الحمار الوحشى مثل حديث ابى النضر الا ان فى حديث زيد بن اسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: هل معكم من لحمه شئى۔

اگر کسی غیر محرم نے محرم کے لئے شکار کیا تو محرم کے لئے وہ شکار کھانا جائز ہے یا نہیں؟

اس میں تین اقوال ہیں۔

پہلا قول: مطلقا محرم کے لئے اس شکار کا کھانا جائز ہے۔ اور ایک قوم کا قول یہ ہے کہ وہ بہر صورت محرم کے لئے حرام ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: اگر وہ شکار محرم کے لئے کیا گیا ہے تو اس کے لئے اسکا کھانا جائز نہیں اور اگر محرم کے لئے شکار نہیں کیا گیا تو اس کا کھانا اسے جائز ہے۔

دوسرا قول: اگر محرم نے شکار کیا ہو۔ یا محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو، برابر ہے کہ اس کی اجازت سے ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں ممنوع ہے یہ امام مالک وشافعی کے نزدیک ہے۔

تیسرا قول: اگر محرم نے خود شکار کیا ہو، یا اس کی اجازت سے کیا گیا ہو۔ یا اس کی رہنمائی سے کیا گیا ہو تو اس کا کھانا اس پر حرام ہے اور اس کے علاوہ صورتوں میں اس کا کھانا جائز ہے۔ یہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ محرم کے لئے سمندر کا شکار مباح ہے، یعنی اس کا کھانا، بیع وشراء، سب مباح ہے۔ بہر حال خشکی کے جانوروں کے بارے میں علامہ ابن قدامہ نے فرمایا: اہل علم نے فرمایا: محرم پر خشکی کے شکار کو قتل کرنے یا اس کو شکار کرنے کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کی دلیل اللہ عزوجل کا قول: ﴿لاتقتلوا الصید وانتم حرم﴾ ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿حرم علیکم صید البر﴾

حضرتِ کعب رضی اللہ عنہ کا قول: مچھلی کی چھینک لینے سے ٹڈی پیدا ہوتی ہے، درست نہیں ہے اور آپ کا اس قول سے رجوع مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آپ کی بات سے اختلاف نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ تک اس بارے میں کوئی حدیث نہیں پہنچی تھی، جب آپ تک اس بارے میں حدیث پہنچی تو آپ نے اس کا رد کر دیا۔

مالایجوز للمحرم اکله من الصید

مالك عن ابن شهاب عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود عن عبدالله بن عباس عن الصعب بن جثامة اللیثی انه اهدی لرسول الله صلی الله علیه واله وسلم حمارا وحشیا وهو بالابواء او بودان فرده الیه رسول الله صلی الله علیه واله وسلم فلما رای رسول الله صلی الله علیه واله وسلم ما فی وجهه قال انا لم نرده علیك الا انا حرم۔

جس کے لئے شکار کیا گیا اس نے اس کو کھالیا تو اس پر جتنا اس نے شکار میں سے کھایا ہے اتنی جزاء لازم ہوگی یا پورے شکار کی جزاء لازم ہوگی۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک: جتنا بھی کھایا ہو، پورے شکار کی جزاء لازم ہوگی۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک: جتنا کھایا ہے اتنی ہی جزاء لازم ہے۔

محرم اگر حالتِ اضطرار میں ہوتو شکار کر کے کھائے گا یا مردار کھائے گا۔؟

صاحبِ محلی نے فرمایا اور یہی امام شافعی اور امامِ اعظم رضی اللہ عنھم کا قول بھی ہے کہ مردار کو شکار پر مقدم کرے گا۔لیکن الاشباہ والنظائر میں فتاوی بزازیہ کے حوالے سے ہے کہ ذبح کیا ہوا شکار، مردار سے بالاتفاق اولی ہے۔ یہاں اتفاق سے مراد علمائے احناف کا اتفاق ہے، کیونکہ دیگر علماء اس میں اختلاف کرتے ہیں۔

امام ابن ہمام نے فرمایا: اگر محرم مردار یا شکار کھانے کی طرف مجبور ہو تو وہ مردار کھائے گا، شکار نہیں کھائے گا، امام زفر کے قول کے مطابق، محرم پر شکار کی حرمت کی جہات کے متعدد ہونے کی وجہ سے۔

امامِ اعظم وامام ابو یوسف کے قول کے مطابق۔ شکار کھائے گا اور بعد میں اس کی جزاء دے گا، کیونکہ مردار کی حرمت زیادہ سخت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ شکار کی حرمت احرام سے نکلنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے تو یہ حرمت موقتہ ہوئی۔ جبکہ مردار کی حرمت، حرمتِ موبدہ ہے، تو محرم پر لازم ہے کہ وہ دو حرمتوں میں سے خفیف حرمت کا قصد کرے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے کہ: محرم جب مردار یا شکار کھانے کا محتاج ہو تو طرفین کے قول میں اس کے لئے مردار کھانا اولی ہے۔ امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے فرمایا: کہ وہ شکار کو ذبح کرے گا اور اگر شکار ذبح کیا ہوا ہو تو وہ کل کے نزدیک اولی ہے۔ اور کل سے مراد احناف ہیں۔

جس نے شکار کو قتل کرنے کے بعد کھایا اس پر کتنی جزاء لازم ہوگی۔

امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک: جس نے شکار کو قتل کیا اس پر اسکی جزاء واجب ہوگئی، پھر اگر اس نے اس کے بعد اس میں سے کھایا تو اس پر پہلی جزاء کے علاوہ دوسری جزاء لازم نہیں ہوگی۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شکار کے قتل میں کامل جزاء لازم ہوگی اور اس کے کھانے میں جس قدر کھایا اس قدر ضمان لازم ہوگی۔

حضرتِ عطاء نے فرمایا: جس شخص نے شکار کو ذبح کرنے کے بعد کھایا: اس پر دو کفارے لازم ہوں گے۔

. ابنِ قدامہ نے فرمایا: جب محرم نے شکار کو قتل کیا پھر اس میں سے کھایا تو صرف قتل کا ضمان دے گا، کھانے کا ضمان نہیں دے گا۔ یہی امام مالک اور امام شافعی کا بھی قول ہے۔

قاری نے شرح النقایہ میں فرمایا: کہ اس میں اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ اس نے جزاء کے بعد کھایا ہو۔ اور اگر اس نے جزاء سے پہلے کھایا تو کھانے کی قیمت بھی جزاء میں داخل ہو جائے گی۔

امر الصید فی الحرم

قال یحی قال مالک: کل شئی صید فی الحرم او ارسل الیه کلب فی الحرم فقتل ذلک

الصيد فامّا الذی یرسل کلبه علی الصید فی الحل فانه لایحل اکله وعلی من فعل ذلک جزاء الصید فی الحل فیطلبه حتی یصیده فی الحرم فانه لایوکل ولیس علیه فی ذلک جزاء الا ان یکون ارسله علیه وهو قریب من الحرم فان ارسله قریبا من الحرم فعلیه الجزاوه۔

صید کی تعریف: ہر وحشی حیوان کو صید کہتے ہیں۔ امام شافعی اس میں ماکول اللحم کی قید لگاتے ہیں۔ آیت میں متعمدا کی قید ، وجوبِ جزاء کی قید نہیں ہے، کیونکہ عمدا و خطا شکار کرنے والا ، سب جزاء میں برابر ہیں ، البتہ گناہ عمدا کے ساتھ مقید ہے، کیونکہ آیت عمدا شکار کرنے کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

حرم کا شکار محرم و غیر محرم پر حرام ہے۔ دلیل اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿لاتقتلوا الصید وانتم حرم﴾۔ اور اس پر اجماع بھی ہے ۔ حدیث پاک میں ہے، حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فتحِ مکہ کے دن فرمایا کہ: اللہ عزوجل نے اس شہر کو محترم بنایا ہے تو اس کے شکار کو تنفر نہ کیا جائے۔

حرم کے جانوروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا مارنا حرم میں جائز ہے، جیسے چیل ، کوا ، چوہا ، بچھو اور پاگل کتا۔ ان پانچ کا استثناء نبی پاک علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا ہے۔

جبکہ دوسری روایت جو حضرتِ ابنِ عمر سے مروی ہے، اس میں آپ علیہ السلام نے حرم میں سانپ مارنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

ایک دوسری روایت میں آپ علیہ السلام نے چھپکلی مارنے کا حکم دیا ہے۔ ان سات کے علاوہ کوئی جانور حرم میں مارنا جائز نہیں ہے۔ یعنی سات جانور جن کا آپ علیہ السلام نے استثناء فرمایا انکے مارنے پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی فدیہ، کیونکہ آپ علیہ السلام نے ان کو حرم و غیر حرم دونوں میں مارنے کی اجازت عطا فرمائی۔

ان جانوروں کے علاوہ اگر کسی درندے کو محرم نے قتل کر دیا جبکہ اس درندے نے اس محرم پر حملہ بھی نہ کیا ہو (اور درندے سے مراد وہ جانور ہے جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا) تو احناف کے نزدیک محرم کو فدیہ دینا ہوگا ، جبکہ امام شافعی اس کے قائل نہیں ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ان سات جانوروں کو قتل کرنے کی اجازت اس لئے عطا فرمائی کہ وہ موذی ہیں ، لہذا ان کے علاوہ جن میں ایذا کی علت پائی جائے گی وہ از روئے قیاس ان میں شامل ہوں گے، گویا کہ قرآنِ پاک کی آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ موذی جانوروں کے علاوہ کسی کو نہ مارو۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے اپنے مذہب کی تائید میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ: آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے عتبہ بن ابولہب کے لئے دعائے نقصان فرمائی: اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط کر دے اور آپ کی دعا کا اثر یہ نکلا کہ ایک شیر نے عتبہ کو چیر پھاڑ دیا ، لہذا معلوم ہوا کہ کتے میں شیر بھی شامل ہے۔ اسی لئے محرم کے لئے جب پاگل کتے کو مارنے کی اجازت

ہے تو شیر کی بھی اجازت ہوگی کیونکہ وہ اسی کے حکم میں ہے۔

احناف اپنے مسلک کی تائید میں اللہ عزوجل کا فرمان پیش کرتے ہیں کہ ﴿لاتقتلوا الصید وانتم حرم﴾۔ حالتِ احرام میں شکار مت مارو۔ اور صید کا لفظ تمام وحشی جانوروں کو شامل ہے اور آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ان میں سے پانچ کا استثناء فرمایا دیا تو لحاظہ تمام وحشی جانور قرآنی حکم میں شامل ہیں۔

اور اگر امام شافعی کے بقول، استثناء کی علت ایذاء ہے تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا پانچ مخصوص عدد کا استثناء فرمانا لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔

☆ قولہ: متعمدا: آیت پاک میں متعمدا کی قید وجوبِ جزاء کی قید نہیں ہے کیوں کہ عمدا و خطا شکار کرنے والا سب جزاء میں برابر ہیں۔ البتہ گناہ عمدا کے ساتھ مقید ہے، کیونکہ آیت عمدا شکار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

الحکم فی الصید۔

قال یحی قال مالک :قال اللہ تعالی :﴿یاایھاالذین امنوا لاتقتلوا الصید وانتم حرم ومن قتلہ منکم متعمدا فجزاء مثل ماقتل من النعم یحکم بہ ذواعدل منکم ھدیا بالغ الکعبۃ او کفارۃ طعام مساکین او عدل ذلک صیاما لیذوق وبال امرہ۔﴾قال مالک :فالذی یصید الصید وھو حلا ل ثم یقتلہ وھو محرم بمنزلۃ الذی یبتاعہ وھو محرم ثم یقتلہ وقد نھی اللہ عن قتلہ فعلیہ جزاو ہ۔قال مالک :والامر عندنا ان من اصاب الصید وھو محرم حکم علیہ۔

جانور کی جزاء کس اعتبار سے دی جائے گی۔؟

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیمت کے اعتبار سے مماثلت کا لحاظ کیا جائے گا۔

<u>صید کی تعریف</u>۔ ہدایہ میں ہے: الصید ھوالممتنع المتوحش فی الاصل الخلقۃ۔ صید وہ جانور ہے جو دفاع کرسکتا ہو، اصلِ خلقت میں وحشی ہو۔

صاحبِ عنایہ نے فرمایا: کہ اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ: صید مملوک ہو، یا مباح ہو، ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو۔

جانور کی جزاء دینے میں جنایت کرنے والے کو اختیار ہے یا تو شکار کی قیمت دے دے یا اس قیمت کے برابر غلہ خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع گندم دے یا ایک صاع جو، کھجور یا کشمش دے اور یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کی طرف سے ایک روزہ رکھ لے۔

ہدایہ میں ہے کہ: امامِ اعظم وابو یوسف کے نزدیک: جزاء یہ ہے کہ شکار کی قیمت اس مکان کے اعتبار سے لگائی جائے گی

جہاں اسے مارا گیا ہو۔یا اس سے قریبی جگہ میں اور دو عادل شخص اس کی قیمت لگائیں گے۔پھر اسے فدیے میں اختیار ہوگا۔چاہے تو وہ اس فدیے کے بدلے میں جانور خریدے اور ذبح کرے اور اگر وہ ہدی کی قیمت کو پہنچتا ہو تو چاہے اس کے بدلے میں کھانا خریدے اور ہر مسکین پر نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور تقسیم کرے یا روزے رکھے۔

امام شافعی و امام محمد نے فرمایا: جیسا شکار مارا ہے ویسے شکار کی ہی نظیر دے گا۔ہرن میں بکری واجب ہوگی۔خرگوش میں بکری کا ایک سال سے چھوٹا بچہ واجب ہوگا۔اور جس جانور کی نظیر نہ ہو تو امام محمد کے نزدیک اس کی قیمت واجب ہوگی، جیسے چڑیا وغیرہ۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ: کبوتر میں بکری واجب کرتے ہیں اور ان دونوں میں مشابہت ثابت کرتے ہیں۔چلانے میں اور غائب ہونے میں۔

☆ قولہ: بالغ الکعبۃ۔ بلوغ کعبہ کا مطلب یہ ہے کہ: جانور کو حرم میں ذبح کیا جائے۔

ابنِ رشد نے کہا: علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کسی کے لئے کعبے میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح مسجد حرام میں بھی۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کا قول: ﴿ھدیا بالغ الکعبۃ﴾: کا مطلب کعبہ ہے کہ وہ مکے میں پہنچ جائے اور حرم میں قربانی کرنا جائز قرار نہیں دیتے مگر یہ کہ مکے میں ذبح کیا جائے۔

امام شافعی اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر کسی نے مکے کے علاوہ حرم میں کسی جگہ قربانی کردی تو یہ اسے کفایت کرے گی۔

☆ قولہ: من اصاب الصید: خرقی نے کہا: اگر صید کے قتل میں ایک جماعت نے شرکت کی تو ان سب پر ایک ہی جزاء ہوگی۔

موفق نے کہا: امام احمد سے اس مسئلے میں تین روایات ہیں: (1) ایک ہی جزاء واجب ہوگی اور یہی صحیح ہے اور یہی روایت حضرتِ عمر بن خطاب، ابن عمر، ابن عباس، عطاء، زہری، نخعی، شعبی، امام شافعی اور اسحٰق رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے

(2) ان میں سے ہر ایک پر جزاء ہوگی، اسکو ابن ابو موسی نے روایت کیا ہے اور ابو بکر نے اختیار کیا ہے اور اسی کے قائل: امام ثوری، امام مالک اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہم ہیں۔

(3) اگر جزاء روزے کی صورت میں ہو تو ہر ایک روزہ رکھے گا۔اگر اس کے علاوہ ہو تو ایک ہی جزاء واجب ہے۔

جس شخص نے حالتِ احرام میں حرم میں شکار قتل کیا اس کی جزاء اور غیر محرم کی جزاء برابر ہے۔محرم پر اس کے احرام کی وجہ

سے جزاء پر زیادتی نہیں کی جائے بلکہ احرام وحرم کی حرمت، متداخل ہو جائے گی، بقیہ ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

مایقتل المحرم من الدواب

مالك عن نافع ان عبداللہ بن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :خمس من الدواب ليس على المحرم فى قتلهن جناح ،الغراب والحداة والعقرب والفارة والكلب العقور۔

علامہ عینی نے فرمایا: دواب، دابۃ کی جمع ہے اور دابہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہے، جیسے اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿ومامن دابة فى الارض الا على الله رزقها﴾۔ترجمہ: کنزالایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ (سورۃ ھود، آیت 6)

☆قولہ: خمس من الدواب: حافظ نے فرمایا: حدیث میں پانچ کے عدد کے ساتھ تخصیص کرنا یہ اکثر کے نزدیک حجت نہیں ہے، کیونکہ بعض احادیث میں چار جانوروں کا ذکر ہے اور بعض میں چھ کا۔ امام مسلم نے چار جانور ذکر کئے اور عقرب یعنی بچھو

کو خارج کیا ہے۔ اور ابوعوانہ نے اپنی مستخرج میں پانچ پر زیادتی کی ہے، یعنی ان کے نزدیک: چھ جانور ہیں اور سانپ کو شامل کیا ہے۔

☆قولہ: والغراب: غراب کی تین اقسام ہیں: (1) غداف۔ (2) غراب ابقع۔ (3) غراب زرع۔

پہلے دو مردار کھاتے ہیں اور تیسرا مردار نہیں کھاتا، تو محرم کے لئے پہلے دو کا قتل کرنا جائز ہے اور تیسرے کا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

☆قولہ: والفارۃ۔ حافظ نے فرمایا: چوہے کی چند اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک کو جرز (بوزن عمر) کہا جاتا ہے۔ اور ایک کو خلد کہا جاتا ہے۔ اور ایک کو فارۃ الابل کہا جاتا ہے اور ایک کو فارۃ المسک کا جاتا ہے۔ اور ایک کو فارۃ الغیط کہا جاتا ہے۔ یہ سب کھانے کی حرمت اور قتل کے جواز میں برابر ہیں۔

☆قولہ: والکلب العقور: علماء نے اس کی مراد میں اختلاف کیا ہے: حضرتِ ابوہریرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: کلب عقور سے مراد شیر ہے۔ اور سفیان نے زید بن اسلم سے روایت کی اور ان سے کلب عقور کے بارے میں سوال پوچھا تو انہوں نے کہا: سانپ سے بڑھ کون سا جانور کلبِ عقور کہلائے گا۔ علامہ زفر نے فرمایا: کلب عقور سے مراد خاص بھیڑیا ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہر وہ جانور جو لوگوں کو کاٹے، ان پر حملہ کرے اور انہیں خوف میں مبتلاء کرے، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ہاتھی وغیرہ یہ سب کلب عقور میں شامل ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کلب عقور سے مراد خاص کتا ہی ہے۔ سوائے بھیڑیے کے اس حکم میں اور کسی جانور کو شامل نہیں کیا جائے گا۔

جمہور نے کہا: یہاں خاص کتے کی تخصیص مراد نہیں، بلکہ مراد ہر حملہ کرنے والا، چیر پھاڑ کرنے والا جانور مراد ہے۔ اور یہی امام ثوری، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔

عقور اور عاقر کا معنی ہے۔ جارح یعنی زخمی کرنے والا۔

مایجوز للمحرم ان یفعله

مالک عن یحی بن سعید عن محمد بن ابراھیم بن الحارث التیمی عن ربیعة بن ابی عبدالله بن الھدیر انه رای عمر بن خطاب یقرد بعیرا له فی طین بالسقیا وھو محرم ۔قال مالك :انا اکرھه ۔

محرم کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنے اونٹ سے جوئیں نکالے۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محرم کو اونٹ سے جوئیں نکالنے کی اجازت دی ہے۔

حضرت جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، اس وجہ سے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

وہ اس عمل کو ناپسند کرتے تھے۔

اور اصل اس بات میں یہ ہے کہ: جوؤں کو مارنے سے منع کرنا اور اس کو جسم سے الگ کرنے اور پھینکنے کی ممانعت ہے۔

درمختار میں ہے کہ: محرم اپنے سر اور بدن کو کھجا سکتا ہے، لیکن اگر بال یا جوئیں گرنے کا خوف ہو تو نرمی سے کھجائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ: اگر اس کے سر میں بال نہ ہوں تو سختی کے ساتھ کھجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ: نظر فی المراۃ۔ علامہ باجی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ حالتِ احرام میں آئینے میں دیکھنا اگر بیماری کی وجہ سے ہو تو جائز ہے اگر بیماری نہ ہو تو آئینہ دیکھنا جائز نہیں ہے۔

امام زرقانی نے فرمایا کہ: امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک: بغیر ضرورت کے آئینہ دیکھنا مکروہ ہے، اس بات کے خوف کی وجہ سے کہ محرم جب آئینہ دیکھا اور اپنے بال پراگندہ دیکھے گا تو بالوں کو سنوارے گا اور یہ بات اسے بالوں کے گرنے کی وجہ سے جنایت کی طرف لے جائے گی۔

قولہ: لوانکسر الظفر ۔ناخن کاٹنا دو صورتوں پر ہے۔() ضرورتا کاٹے گا۔() بغیر ضرورت کے کاٹے گا۔ اور اگر ضرورتا کاٹے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ وہ ضرورت ناخن کے ساتھ خاص ہوگی۔ یا خاص نہ ہوگی۔ اگر ناخن کے ساتھ خاص ہو تو اس کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔

باب الحج عمن يحج عنه

مالك عن ابن شهاب ان سليمان بن يسار عن عبدالله بن عباس قال : كان الفضل بن عباس رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم فجائته امرأة من خثعم تستفتيه فجعل الفضل ينظر اليها وتنظر اليه فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يصرف وجهه الفضل الى الشق الاخر -فقالت يارسول الله ان فريضة الله على العباد فى الحج ادركت ابى شيخا كبيرا لايستطيع ان يثبت على

الراحلة أفاحج عنه ؟قال نعم -وذلك فى حجة الوداع۔

حج بدل اوراس کے چند مسائل: جس شخص پر حج فرض ہوااور وہ زندہ ہے لیکن حج کی طاقت نہیں رکھتایا مر چکا ہے اور حج ادا نہیں کیا تھا تو اس کی طرف سے حج ادا کرنے کی چند شرائط ہیں۔

(1) حج بدل کرانے والے پر حج فرض ہو۔اگر حج کرانے والے پر حج فرض نہیں تھا تو جس کو بھیجا ہے اس کے کرنے سے ادانہیں ہوگا۔

(2) جس کی طرف سے حج ادا کیا جار ہا ہے وہ خود حج ادا نہ کرسکتا ہو۔اور اگر خود حج ادا کرسکتا ہو تو حج بدل درست نہیں ہوگا۔

(3) حج بدل کرانے کے وقت سے لے کر موت تک عذر باقی رہے۔اگر مرنے سے پہلے تندرست ہو گیا تو اب خود حج کرسکتا ہے تو جو حج بدل کروایا گیا وہ حج ختم ہو جائے گا اور اب وہ خود حج ادا کرے گا۔ہاں اگر عذر ایسا تھا جس کے جانے کی امید ہی نہ تھی اور اتفاقا جاتا رہا تو وہ پہلا حج جو اس کی طرف سے کیا گیا کافی ہے مثلاً وہ نابینا ہے اور حج کرانے کے بعد انکھیارا ہو گیا تو اب دوبارہ حج کرانے کی ضرورت نہ رہی۔

(4) حج بدل جس نے کروایا ہو وہ اس کا حکم بھی دے،بغیر اس کے حکم دینے سے حج ادانہیں ہوگا۔ہاں اگر اس کی اولاد اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے حج کرے تو ادا ہو جائے گا۔

(5) حج کے جملہ اخراجات حج کروانے والا دے گا۔

(6) جس کو حج بدل کے لئے منتخب کیا وہی حج کرے گا تو حج بدل ادا ہوگا،اگر اس نے آگے کسی اور کو بھیج دیا تو پہلے شخص کا حج ادانہیں ہوگا۔

(7) سواری پر حج بدل کرائے،اگر تمام راستہ حج بدل کرنے والا پیدل چل کر گیا تو بھی حج بدل ادا نہ ہوا۔

(8) جہاں معذور شخص رہتا ہے وہاں سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیجے،یعنی اپنے وطن سے کسی کو بھیجے گا۔